قیمت: پانچ روپے


انٹرنیشنل

# ملی ٹائمز

نئی دہلی

اردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ


## کدھر جا رہا ہے

# مسلم ووٹ

ملی ٹائمز کی رائے شماری میں دلچسپ انکشافات

# Muslim Voter



| | | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| AUSTRALIA | A$ 3.50 | DENMARK | D. KR. 14.00 | ITALY | LIT. 3,000 | NEW ZEALAND | NZ$ 4.95 | SRILANKA | Rs 40 |
| BANGLADESH | Taka 20 | FRANCE | Fr 10 | JAPAN | | NORWAY | N. KR 12.00 | SWEDEN | Kr 15 |
| BELGIUM | Fr 70 | FINLAND | F. MK 10.00 | KOREA | W 1,800 | PAKISTAN | Rs. 15 | SWITZERLAND | Fr 3 |
| BRUNEI | B$ 4.50 | GERMANY | DM3.50 | MALAYSIA | RM 3.00 | PHILIPPINES | P 25 | THAILAND | B 40 |
| CANADA | C$ 3.50 | HONG KONG | HK$ 15.00 | MALDIVES | Rf 12.00 | SAUDI ARABIA | SR 3 | U.K. | 60p |
| CHINA | RMB 12.50 | INDONESIA | RP 3,400 (INC. PNN) | NETHERLANDS | G 3.30 | SINGAPORE | S$ 2.50 | U.S.A. | $1.25 |

# مزارات پر گل پاشی و چادر پوشی کا بھونڈا ڈرامہ

## نرسمہا راؤ کے لیے انتخابی منجدھار میں تنکے کا سہارا

اس کا ادراک کرلینے کے باوجود کہ مسلمانوں نے بابری مسجد کے انہدام کا کانگریس کا گناہ نہ تو معاف کیا ہے اور نہ ہی وہ کانگریس کو ووٹ دے کر دوبارہ برسراقتدار لانے کے موڈ میں ہیں، کانگریس کے اندرونی حلقوں میں مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کی تدبیریں ابھی بھی کی جارہی ہیں۔ کانگریس کے کچھ لوگ مسلم ریزرویشن کی آواز بلند کرتے ہیں تو کچھ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور کچھ کا کہنا ہوتا ہے کہ ابھی اس بارے میں قیادت نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ دوسری طرف کانگریس کے صدر اور وزیراعظم نرسمہا راؤ مزارات کی چادر پوشی اور علماء کے گروہوں سے ملاقات کرکے اس خوش فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کا دل جیت لیا ہے اور وہ اب کانگریس کی جھولی میں آگرے ہیں۔ تیسری طرف مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اقتصادی اور معاشی پروگراموں کا اعلان کیا جاتا ہے لیکن ان پر عمل کی نوبت نہیں آتی اور کانگریسی لیڈران اپنے بنگلوں میں بیٹھ کر یہ تصور کرلیتے ہیں کہ انہوں نے فلاحی اسکیموں کا اعلان کرکے کانگریس کے تئیں مسلمانوں کی برگشتگی کم کردی ہے۔ گویا یا تو کانگریسی لیڈران انتہائی سادہ لوح اور سیدھے سادے ہیں یا پھر انتہائی عیار و مکار ہیں۔

جہاں تک پہلی خصلت کا معاملہ ہے تو وہ انہیں چھو کر بھی نہیں گزری ہے۔ آزادی کے بعد سے آج تک مسلمانوں کے لئے کانگریس نے اگر کوئی کام کیا ہے تو صرف اور صرف انہیں بے



وقوف بنا کر اپنا الو سیدھا کرنے کا کیا ہے۔ مسلمانوں میں ایسے طالع آزما افراد کی کمی نہیں ہے جو چند سکوں کی کھنک میں ملت کا سودہ کرلیتے ہیں اور ابھی تک یہ بھی ہوتا آیا ہے کہ عام مسلمانوں نے اپنی سادہ لوحی میں ان قائد نما رہزنوں کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنی متاع زیست ان کے ہاتھوں میں دے دی ہے اور اپنی تقدیر کا فیصلہ ان پر چھوڑ دیا ہے۔ ان لوگوں کو انہوں نے اپنا سب کچھ سونپ دیا جو خود اپنا سب کچھ کانگریس یا دوسری جماعتوں کے یہاں گروی رکھ چکے اور سکوں کی کھنک میں پوری ملت کا سودا کرچکے ہوتے ہیں۔

کانگریس نے اس رجحان اور ذہنیت کا خوب فائدہ اٹھایا اور ملت کے سوداگروں کی جیبیں گرم کرکے مسلمانوں کو اپنا ووٹ بینک بنالیا۔ سوداگروں کی تو جیبیں گرم ہوگئیں مگر مسلمانوں کو محض وعدوں اور اسکیموں کے خوبصورت لالی پاپ کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔ مسلمان ان سے بہلتے رہے اور انتخابات میں اپنی جان، زبان اور آبرو کی حفاظت کی باگ ڈور کانگریس کے ہاتھوں میں دیتے رہے۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ شاید عام مسلمانوں میں کچھ بیداری آئی ہے اور انہوں نے صورت حال کا آزادانہ جائزہ لینا شروع کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کانگریسی لیڈران میں زبردست بوکھلاہٹ کی کیفیت ہے۔ اور اس بوکھلاہٹ میں وہ الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگے ہیں۔ ابھی کچھ دنوں قبل اعلان کیا گیا تھا کہ کانگریس پندرہ نکاتی پروگراموں کو زندہ کرنے جارہی ہے اور مسلمانوں کے لئے فلاحی اسکیموں پر عمل درآمد کرنے کے لئے ملک میں پانچ مقامات پر دفاتر کھولے جارہے ہیں۔ لیکن اس نازک اور فیصلہ کن موقع پر بھی اس پر کوئی پیش رفت نہیں ہوئی اور وعدوں کی ٹوکری میں ایک اور وعدے کا اضافہ ہوگیا۔

کانگریس کے اقلیتی سیل نے اعلان کیا ہے کہ وہ کانگریس کے انتخابی منشور میں مسلم ریزرویشن کو شامل کرانے کے لئے کانگریس قیادت پر زور ڈالے گا۔ سیل کا اجلاس جنوری میں ہورہا ہے۔ اس سے قبل غلام نبی آزاد اور سیتا رام کیسری نے مسلمانوں کو ریزرویشن دینے کی حمایت کی۔ لیکن آر۔ کے دھون اور وی این گاڈگل نے یہ کہہ کر اسے مسترد کردیا کہ اس پر کانگریس ورکنگ کمیٹی نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے اور یہ ان لوگوں کی ذاتی رائے ہے۔ سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ جان بوجھ کر ایسے بیان دئے اور دلوائے جارہے ہیں تاکہ ایک طرف مسلمانوں کو راغب کرنے کی مہم تیز ہو اور دوسری جانب وعدوں کی پابندی پر بھی یہ لوگ مجبور نہ ہوں۔ گویا مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کی چالیں تیزی سے چلی جارہی ہیں۔

وزیراعظم پی وی نرسمہا راؤ نے یہ محسوس کرکے کہ مسلمان کانگریس کے دام فریب میں پھنسنے والے نہیں ہیں اور انہوں نے بابری مسجد کے انہدام کی کارروائی کو ابھی فراموش نہیں کیا ہے، مذہبی علماء کے ایک گروہ کو رام کرنے کی کوشش شروع کردی اور وہ اس میں کچھ حد تک کامیاب بھی ہوگئے ہیں۔ دہلی میں ہونے والے ایک مذہبی کانفرنس کے لئے ایک خطیر فنڈ کی فراہمی انہوں نے ہی کی تھی اور انہیں کے اشارے پر مبینہ طور پر کانفرنس میں شریک کچھ لوگوں کو الگ لے جاکر ساغر و مینا سے بھی نوازا گیا تھا۔ اب وہی لوگ ایک بار پھر نرسمہا راؤ کو جست لگانے کے لئے اپنا کندھا پیش کر رہے ہیں۔ راؤ نے اپنے خصوصی مشیر پنڈت این کے شرما کی کاوشوں سے ان طالع آزما لوگوں کو شیشے میں اتار لیا ہے اور ان لوگوں نے راؤ کے ایلچی کی حیثیت سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی

باقی صـ۱۲ـ پر

## کیا جعفر شریف جیسے مسلم سیاستدانوں کے نزدیک

# پارلیمنٹ کی ایک نشست ہی سیاست کی معراج ہے

سابق مرکزی وزیر ریلوے اور وزیر بے قلمدان جناب سی کے جعفر شریف نے گذشتہ دنوں وزیراعظم پی وی نرسمہا راؤ سے ملاقات کی اور پارٹی تنظیم کے لئے کام کرنے پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔ حالانکہ اس سے قبل جب نرسمہا راؤ نے ان کے سامنے یہ پیش کش رکھی تھی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا تھا کہ اگر انہیں وزارت سے ہٹایا گیا تو ہندوستان کا ایک بھی مسلمان کانگریس کو ووٹ نہیں دے گا۔ لیکن انہیں ہٹاکر وزیر بے قلمدان بنا دیا گیا۔ وزارت ریلوے سے وزارت بے قلمدان تک کا ان کا سفر ان کے لئے "تضحیک و تذلیل" سے کم نہیں تھا۔ کیونکہ نہ تو ان کی یہ دھمکی کام آئی کہ انہیں ہٹادینے کی صورت میں کانگریس کو مسلم ووٹوں سے محروم ہونا پڑے گا اور نہ ہی کانگریس قیادت نے ان کی طویل خدمات کا کچھ لحاظ رکھا۔ شاید اسی لئے انہوں نے وزارت بے قلمدان سے استعفی دے دیا۔

لیکن ابھی اس واقعہ کو چند دن ہی ہوئے تھے کہ جعفر شریف بنگلور سے دہلی آگئے اور وزیراعظم سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ شاید انہیں یہ احساس ہوگیا کہ مسلمان کانگریس کو ووٹ دیں یا نہ دیں البتہ ان کو ووٹ نہیں دیں گے اور سیاسی زندگی کی بقا کے لئے پارلیمنٹ کی ایک عدد سیٹ کی اشد ضرورت ہوگی۔ اسی لئے انہوں نے دوبارہ راؤ خیمے میں واپس ہوجانے ہی میں عافیت محسوس کی۔ لیکن اب راؤ صاحب ان سے ملنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ مسلسل پانچ دن تک نرسمہا راؤ سے ملاقات کا وقت مانگتے رہے مگر نہیں ملا۔ بالآخر پارلیمنٹ اجلاس کے دوسرے دن انہوں نے راؤ کو پکڑلیا اور ان سے کہا کہ وہ پارٹی کا کام کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ استعفی دے دینے سے ان کے چہرے پر ندامت و شرمندگی کی پرچھائیاں بھی تھیں لیکن سیاستدانوں کے نزدیک چونکہ ندامت و شرمندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اس لئے جعفر شریف نے بھی ندامت کے احساس کو پرے دھکیل کر اپنا مدعا رکھ دیا۔



جعفر شریف کے ساتھ ہونے والے حالیہ واقعات مسلم سیاستدانوں کے وقار اور مرتبے کا آئینہ ہیں۔ جعفر شریف زندگی بھر کانگریس کی خدمت کرتے رہے اور اب بھی کانگریس کی خدمت ان کے لئے سیاسی مستقبل کی بقا کا واحد راستہ ہے۔ انہوں نے انتہائی اہم مسلم ایشوز پر زبانی جمع خرچ کے علاوہ کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا اور وہ ایشوز جو برسراقتدار اور حزب اختلاف جماعتوں کے مسلم قائدین کے ضمیر کو جھنجھوڑنے والے تھے، جعفر شریف پر رقت طاری نہیں کرسکے اور جعفر شریف بظاہر بابری مسجد کے انہدام پر اشک آلود بھی ہوئے لیکن وہ اشک کانگریس کی خدمت کرنے کے ان کے جذبے کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں کرسکے اور وہ پہلے کی مانند مسلم کانگریسی سیاست دانوں کی روایت کو زندہ رکھنے میں مصروف کار رہے ایسے بے شمار ملی معاملات سامنے آئے جن پر ان کو فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہیے تھا لیکن زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد کے مصداق یہ اپنے محاذ پر ڈٹے رہے۔ اور اب اس کا صلہ انہیں اس شکل میں ملا کہ انہیں وزارت ریلوے سے ہٹا دیا گیا اور پھر بعد میں انتہائی شرمساری کے عالم میں وزارت بے قلمدان سے وہ خود ہی ہٹ گئے۔ کیونکہ انہوں نے نرسمہا راؤ کی منشا کو بھانپ لیا تھا۔

بہرحال جعفر شریف تنظیم کا کام کرنے پر راضی ہوگئے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ مسلم علاقوں میں دورے کرنے بھی جارہے ہیں۔ شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم علاقوں میں دورہ کرنے اور بالواسطہ طور پر معافی مانگنے سے مسلمان کانگریس کو معاف کریں یا نہ کریں انہیں ضرور معاف کردیں گے اور پارلیمنٹ کی ان کی سیٹ پر آنچ نہیں آئے گی۔ لیکن جعفر شریف کو گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیے کہ کیا پارلیمنٹ کی ایک سیٹ ہی سیاست کی معراج ہے۔ کانگریس کی خدمت ہی سیاسی مستقبل کی ضامن ہے اور کیا ملت کی بہی خواہی اور ملت کے ساتھ ہونیوالی مسلسل ناانصافی کو دور کرنے کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے؟۔

# بی جے پی کی ناک میں نکیل ڈالنے کے لیے لالو ملائم اتحاد

ریورٹ: سہیل انجم

اس میں کوئی شک نہیں کہ پچھلے دنوں اترپردیش میں اختتام پذیر ہوئے بلدیاتی انتخابات کے نتائج سے بی جے پی کے حوصلے بلند ہوگئے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آئندہ ہونے والے پارلیمانی انتخابات کے



لئے بی جے پی کی کامیابی کے تمام تر دروازے کھل گئے ہیں اور پورے ملک میں نہ سہی تو اترپردیش میں بی جے پی دوسری پارٹیوں کا مکمل طور پر صفایا کردے گی۔ یہ حقیقت تو اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ بی جے پی نے نہ صرف شہری علاقوں میں اپنی مقبولیت کو برقرار رکھا ہے بلکہ کچھ دیہی علاقوں میں بھی اس کی بنیاد مستحکم ہوئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بی جے پی کو پارلیمانی انتخابات میں زبردست دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

نتائج پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ تمام پارٹیوں کے بڑے رہنماؤں کی عوامی بنیاد کمزور ہوئی ہے۔ کانگریس، جنتا دل، سماجوادی پارٹی، بی ایس پی اور بائیں بازو کی پارٹیوں کے سینئر رہنماؤں کی مقبولیت پر اثر پڑا ہے تو بی جے پی کے لیڈر بھی اس سے مبرا نہیں ہیں۔ کلیان سنگھ اور مرلی منوہر جوشی جیسے لیڈروں کے قلعوں میں بھی نقب زنی ہوئی ہے۔ اور اگر ایس پی، بی ایس پی، کانگریس اور جنتا دل کے لئے یہ انتخابی نتائج تشویشناک ہیں تو بی جے پی کے لئے بھی کوئی بہت خوشگوار نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اترپردیش میں اتنی کامیابی حاصل کرنے کے باوجود بی جے پی کے مرکزی لیڈران انتخابی ایشوز کی تلاش میں ہیں۔ آزاد امیدواروں کی کامیابی بھی کسی خاص سمت میں اشارہ کرتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ غیر بی جے پی دوٹوں میں تقسیم ہوئی ہے لیکن بی جے پی کے حق میں آندھی چل پڑی ہو ایسا بھی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر بی جے پی نے گیارہ میئر میں سے آٹھ میئر کے عہدے جیت لئے ہیں لیکن ان آٹھوں مقامات کے ممبران پارلیمنٹ بی جے پی سے تعلق رکھتے ہیں۔ سٹی بورڈوں میں بی جے پی کے ایک تہائی سے بھی کم چیئرمین کامیاب ہوئے ہیں اور ٹاؤن ایریا میں بی جے پی کو ایک چوتھائی کامیابی ملی ہے۔ اس طرح ۴۲۵ اسمبلی حلقوں کے ۲۰۶ حلقوں یا ۴۱ پارلیمانی حلقوں میں ہونے والے انتخابی نتائج نے بی جے پی کے حوصلے کو تو بلند کیا ہے لیکن اس کی عوامی طاقت میں کہیں سے بھی اضافہ نہیں کیا ہے۔

البتہ ان انتخابات نے ثابت کردیا کہ جنتا دل کا دعوی کمزور ثابت ہوا ہے اور ایس پی کے اس دعوے میں بھی کوئی بہت زیادہ دم نہیں ہے کہ تمام مسلم ووٹ اس کی جھولی میں ہے۔ ہاں مغربی یوپی میں بی ایس پی کے کچھ مسلم امیدوار کامیاب ہوئے ہیں لیکن ان علاقوں میں ایس پی یا جنتا دل کی کوئی بنیاد نہیں تھی۔ جنتا دل کے پالیسی ساز مسٹر سریندر موہن کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بی جے پی نے بڑے شہروں میں کامیابی حاصل کی ہے لیکن اگر جنتا دل، ایس پی اور بی ایس پی میں اتحاد ہوجائے تو بی جے پی کو آسانی سے روکا جاسکتا ہے اور اس صورت میں نتائج مختلف ہوں گے۔ ان انتخابات میں سب سے خراب حالت کانگریس کی رہی ہے۔ ۱۹۹۰ء میں اسے گیارہ میئر میں سے ۹ پر کامیابی ملی تھی اور بی جے پی کو دو پر۔ ایک آگرہ میں اور دوسری بریلی میں۔ لیکن اس بار اسے ایک بھی عہدہ نہیں ملا۔ ایک اور اشارہ ان انتخابات سے ملتا ہے وہ یہ کہ سماجوادی پارٹی بی جے پی کے بعد دوسری بڑی پارٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور بی ایس پی پوری طرح ختم نہیں ہوئی ہے جیسا کہ لوگ قیاس کر رہے تھے۔ وہ جنتا دل اور کانگریس سے آگے یعنی تیسرے نمبر پر ہے۔

بلدیاتی انتخابات میں گرچہ سبھی پارٹیوں کے بڑے لیڈروں کی عوامی بنیاد کمزور ہوئی ہے نین کانگریس کی بنیاد سب سے زیادہ کمزور ہوئی ہے۔ کانگریس ان علاقوں میں بھی اپنا کھاتہ نہیں کھول سکی جو اس سے پہلے اس کی مضبوط قلعے ہوا کرتے تھے۔ بریلی میں جو کہ ایک زمانے میں اندرا گاندھی کا مضبوط مرکز تھا کانگریس ایک بھی سیٹ حاصل نہیں کرسکی۔ سات نگر پنچایت سیٹوں میں سے تین بی جے پی کو اور دو دو ایس پی اور آزاد امیدواروں کے حق میں گئی ہیں۔ سلطان پور میں جہاں کہ راجیو گاندھی کا حلقہ امیٹھی واقع ہے پانچ میں سے چار نگر پالیکا پنچایت کی سیٹ آزاد امیدواروں نے جیتی ہے۔ اور ایک بی جے پی نے۔ جتیندر پرشاد کے گھر شاہ جہاں پور میں سات نگر پنچایت میں سے تین بی جے پی نے جیتی ہے۔ آزاد اور ایس پی امیدواروں کو دو دو سیٹ ملی ہے۔ نگر پالیکا کی تمام سیٹیں بی جے پی نے مارلی ہیں۔

اٹاوہ میں جو کہ ملائم سنگھ یادو کا گڑھ ہے آزاد امیدواروں کو ان سے زیادہ کامیابی ملی ہے۔۹

باقی ص۱۱ پر

**اترپردیش کے بلدیاتی انتخابات میں بی جے پی کی کامیابی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بی جے پی کی تقدیر کا قفل کھل گیا ہے اور وہ پارلیمانی انتخابات میں بھی کامیابی کے جھنڈے گاڑے گی۔**

## آپ کے نام ایک ضروری خط!

برادران گرامی اور دختران ملت!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

گذشتہ دو سالوں کے دوران ملی ٹائمز کے مطالعے سے آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ ہم نے نہ تو تجارت کی غرض سے اس میدان میں قدم رکھا ہے اور نہ ہی ہم کسی غیر مسلم سیاسی پارٹی کو مسلمانوں میں اعتبار بخشنے کے لئے اپنا زور قلم صرف کر رہے ہیں۔ بلکہ ہم دراصل خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو کفار و مشرکین کی اتباع سے نجات دلانے کے لئے اٹھے ہیں۔ ہم سارے گروہی، مسلکی اور جماعتی تعصبات سے اوپر اٹھ کر پوری امت کو غلبہ اسلام کے لئے قربانیاں پیش کرنے کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ ہندوستان ہی نہیں بلکہ اس ملک سے باہر بھی جہاں کہیں اسلام اور مسلمانوں کا چراغ گل ہوتا ہوا محسوس ہوا ہم اپنی ساری بے سروسامانی کے باوجود وہاں پہنچے ہیں۔ ہماری جدوجہد سے کچھ اور ہوا ہو یا نہیں البتہ اتنا تو ضرور ہوا کہ مظلوم بھائی بہنوں کے حوصلے بلند ہوئے اور ایک بار پھر یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ اللہ کی نصرت کے سہارے اگر مٹھی بھر فدائین اسلام بھی باطل کی یلغار روکنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو حالات کا بدل ڈالنا عین ممکن ہے۔

ہندوستان میں جہاں ہماری تحریروں نے اس نظام کفر کے مکروہ چہرے سے سیکولرزم کا خوشنما نقاب کھینچ پھینکا ہے اور اب جہاں عام مسلمانوں کے اندر موجودہ نظام سے بے زاری بڑھتی جارہی ہے، مشرک سیاسی پارٹیوں سے نفرت انتہا پر ہے اور جب یہ احساس عام ہے کہ فی زمانہ کوئی بھی سیاسی پارٹی خواہ وعدوں کے کتنے ہی خوشنما باغ کیوں نہ دکھائے اپنی مسلم دشمنی میں وہ کسی سے پیچھے نہیں ہے تو دشمنوں کی نگاہوں میں ملی ٹائمز کا کھٹکنا عین فطری ہے۔ آنے والے دنوں میں ہر ممکن کوشش کی جائے گی کہ اس انقلابی جریدے کی اشاعت میں رخنہ پیدا ہو۔ گذشتہ چند شماروں سے ملی ٹائمز کے نظام ترسیل پر خصوصی رحم و کرم ہوا ہے۔ بعض شمارے ہمارے ایجنٹوں اور بہی خواہوں کو تاریخ گزرنے کے بعد ملے ہیں، بعض جگہوں سے پورا پیکٹ غائب ہونے کی اطلاع ملی ہے تو بعض اسٹالوں سے یک مشت پورا اخبار خرید کر اسے دریا برد کردیا گیا ہے تاکہ شائقین میں یہ احساس عام ہو کہ شاید یہ اخبار بند ہوگیا ہے۔ گویا نظام کفر کے حواری اس بات کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوستان میں ایک فیصلہ کن تبدیلی کی داغ بیل ڈالنے سے پہلے ہی ملی ٹائمز کو منظر عام سے ہٹا دیا جائے۔

اس تشویشناک صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے نہ تو ہمیں کسی حکومت سے مراعات کی ضرورت ہے اور نہ ہی ہم کسی مشرک سیاسی پارٹی کی پناہ کے طالب ہیں۔ ہمیں صرف خدائے واحد کی محافظت اور نصرت چاہئے۔ بس اور کچھ نہیں۔

ہمارے لئے یہ بات انتہائی حوصلہ افزا ہے کہ ملک کے مختلف گوشوں سے صاحب حیثیت مسلمانوں نے ہمیں مالی تعاون کی پیش کش کی ہے اور ملی ٹائمز کے قارئین نے بھی ہر ممکنہ تعاون کا یقین دلایا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک ایسی صورت حال پیدا ہوجائے کہ ہمارا اخبار عام لوگوں تک نہ پہنچ سکے، اسٹالوں سے ہم غائب ہوجائیں تو اخبار نکالنے کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے ہم اپنے قارئین اور ایجنٹ حضرات پر کچھ اضافی بوجھ ڈالنا چاہتے ہیں۔

۱۔ ملی ٹائمز کا کوئی شمارہ خواہ کتنی ہی تاخیر سے کیوں نہ پہنچے ایجنٹ حضرات اسے ضرور وصول کریں اور قارئین اسے پوری قیمت میں خریدیں۔

۲۔ اگر اسٹال پر کوئی شمارہ تاخیر کی وجہ سے بچا نظر آئے تو اسے خرید کر دوستوں میں تقسیم کردیجئے۔

۳۔ اگر آپ کی جیب اجازت دے تو ایک سے زائد شمارے خرید کر محلے پڑوس میں بھجوادیں۔ یہ صرف ملی ٹائمز کے ساتھ تعاون ہی نہیں ہوگا بلکہ انقلابی پیغام کو عام کرنے میں آپ بھی شریک بن جائیں گے۔

۴۔ کوشش کیجئے کہ ہر مسلم گھر میں ملی ٹائمز ضرور ہی پہنچے۔

اس کے علاوہ

ہم نے یہ بھی طے کیا ہے کہ ملک بھر میں ملی ٹائمز کو عام کرنے کے لئے خصوصی دستے تشکیل پائیں۔ لہذا طے پایا ہے کہ ۲۶ جنوری ۱۹۹۶ء کو ملی ٹائمز کے استحکام کی خصوصی مہم چلائی جائے گی۔ ملک بھر میں دردمندان امت کے منظم قافلے مسلم علاقوں میں ملی ٹائمز کی تشہیر کا کام انجام دیں گے اور زیادہ سے زیادہ مسلم گھروں میں اس اخبار کو پہنچانے کی مہم میں رضاکارانہ خدمات پیش کریں گے۔

آپ بھی اپنے علاقے میں خصوصی دستہ تشکیل دیجئے اور ملک بھر میں سڑکوں شاہراہوں اور بازاروں میں کھڑے ہوکر رضاکارانہ طور پر ملی ٹائمز فروخت کریں۔ اور ۲۶ جنوری کو ملک گیر مہم کے ذریعہ دشمنوں کی سازشوں کا منہ توڑ جواب دیجئے۔

بارالہا! تو ملی ٹائمز کی حفاظت فرما اور ہمیں ثابت قدم رکھ! (مدیر)

# بے نظیر بھٹو کے دو چہرے دونوں نقلی

## وہ مغرب میں اسلام مخالف اور مشرق میں اسلام کی علمبردار بن جاتی ہیں

تحریر: پرویز حفیظ

حیرت ہے کہ بے نظیر بھٹو جیسی ہوش مند خاتون مکتب میں پڑھے ہوئے سبق کو بھول گئیں کہ جو شخص محض دل لگی میں بار بار بھیڑیا آیا بھیڑیا آیا کی آواز لگاتا ہی وہ واقعی بھیڑیے کا شکار



بنتا ہے اور اس وقت اس کی مدد کو کوئی نہیں پہنچتا۔ وہ اسلامی انتہا پسندی کے تئیں امریکہ کی تشویش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود کو لبرل ازم اور ڈیمو کریسی کے علمبردار کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہیں جو اسلامی انقلاب پسندوں سے تنہا نبرد آزما ہے۔ اسلام آباد میں مصری سفارت خانے کو بڑی دلیری سے تباہ کرکے انتہا پسندوں نے ببانگ دہل اپنی آمد کا اعلان کر دیا ہے۔

برصغیر کے سنگین ترین دہشت گردانہ حملے میں سفارت خانے کی عمارت کی تباہی اور انسانوں کی ہلاکت سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ واشنگٹن نے اسلام آباد کو خصوصی نگرانی کے مستحق ممالک اور شہروں کی فہرست سے خارج کرکے بڑی فاش غلطی کی ہے۔ اور پھر امریکہ خود بھی تو چاروں طرف سے گھرے ہوئے پاکستان میں دہشت گردی پھیلانے میں بالواسطہ ہی سہی ملوث تو ہے۔ بے نظیر نے واشنگٹن کا نام لئے بغیر مسلم ممالک میں دہشت گردی کے فروغ کے مقصد سے کمیونزم کے خلاف مغرب پر سرد جنگ کی پالیسی اختیار کرنے کا الزام لگایا تھا۔ اور مصری سفارت خانے کے حادثے کے بعد ہی انہوں نے کہا کہ مغرب کی شہ پر چلنے والے دہشت گرد گروہوں سے تمام مسلم ممالک کو خطرہ لاحق ہے۔ ۱۹۷۹ء میں سوویت حملے اور پاکستان کے پڑوسی افغانستان پر قبضے کے بعد واشنگٹن اس قدر پریشان تھا کہ اس وقت کے صدر جمی کارٹر نے اپنے نیشنل سکیورٹی ایڈوائزر بگنیف برزنسکی کو کمیونسٹوں سے لڑنے اور انہیں وہاں سے نکال بھگانے کی خاطر کئی ملین ڈالر کی فوجی اور مالی امداد دے کر پاکستان بھیجا تھا۔ افغانستان سے سوویت فوجوں کو نکالنے کا مشن انجام دینے کے بعد پاکستان میں تربیت یافتہ ہزاروں مجاہدین نے گولہ بارود اور اسلحوں سے مسلح ہو کر کشمیر کا رخ کیا یا انہیں ادھر کا رخ کرا دیا گیا۔ لیکن پاکستانی حکمرانوں کو یہ احساس نہیں رہا کہ جو حربہ انہوں نے کمیونسٹوں اور پھر ہندوستان کے خلاف وادی کشمیر میں اختیار کیا وہ بالآخر انہیں بھی نگل جائے گا۔ رمزی یوسف کی گرفتاری، چیچن باغی لیڈر کو پناہ دینے پر روسی حکومت کا الزام، دہشت گردوں کی پرورش اور مصری سفارت خانے کی تباہی پر مصری حکومت کا احتجاج یہ سب باتیں اس شبہ کو مستحکم کرتی ہیں کہ حالیہ چند برسوں میں پاکستان اس خطے میں دہشت گردوں کی پناہ گاہ کی حیثیت سے ابھرا ہے۔

ظاہر ہے کہ حالیہ بم دھماکے سے خوف زدہ ہو کر پاکستانی وزیر اعظم اور ان کے متنازعہ وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر نے ملک سے غیر ملکی دہشت گردوں کا صفایا کرنے کا عہد کیا ہے لیکن کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کا اعلیٰ برسر اقتدار طبقہ اپنے افسوس ناک زوال کا خود ذمہ دار ہے اور بے نظیر بھٹو تو اپنی تضاد بیانی کا شکار ہیں اور اس کی مرتکب وہ ۱۹۹۳ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد سے بار بار ہو چکی ہیں۔

ان کی مشکل کا سبب ان کا دوہرا کردار ہے جو وہ دو سال سے ادا کر رہی ہیں۔ مغربی دنیا کے سامنے وہ پاکستان کو اعتدال پسند اسلامی ملک کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں جہاں قانون کی بالادستی اور انسانی حقوق کا پورا احترام کیا جاتا ہے دوسری طرف اپنے عوام اور خصوصاً اپنی پروردہ دائیں بازو کی مذہبی سیاسی پارٹیوں اور افراد کے سامنے وہ خود کو اسلام کی ایسی علمبردار کے روپ میں پیش کرتی ہیں جس کے سر پر سے دوپٹہ بھی نہیں سرکتا۔ آئے دن کی زیارت حرمین، جنگ زدہ بوسنیا کا مشتہر دورہ، غزہ پٹی کے دورے کی ناکام کوشش، قاہرہ میں آبادی کانفرنس میں آیات قرآنی سے لبریز اسقاط مخالف تقریر، پاکستان میں او آئی سی کی چوٹی کانفرنسوں کا انعقاد، ملیشیا، ایران اور خلیجی و وسطی ایشیائی جمہوریاؤں کا دورہ بے نظیر کی طرف سے اپنے تجسس پسند عوام کو اپنی اسلامی شناخت کا یقین دلانے کی کوششیں ہی تو ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ اپنے عوام پر مذہبی جنون طاری کرکے کشمیر کی آزادی کے لئے انہیں جہاد پر اکساتی رہی ہیں۔

جس خلفشار میں بے نظیر بھٹو مبتلا ہیں وہ خود ان کا پیدا کردہ اور جو کچھ وہ کرتی رہی ہیں وہ انہیں ہلاکت خیز انجام سے قریب کرتا رہا ہے۔ شاید انہیں خبر نہیں کہ عوامی ہتھکنڈوں سے وقتی فائدہ ضرور اٹھایا جاسکتا ہے لیکن یہ فائدے اپنے پیچھے بے شمار مسائل بھی چھوڑ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہندوستان پر لعن طعن کی پالیسی موثر حکمرانی کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ پاکستان کی وہ واحد سربراہ ہیں جنہوں نے اپنے پڑوسی ملک کے خلاف پروپیگنڈے کو اولین مقصد بنایا۔ کراچی شعلوں میں لپٹا ہوا ہے اور بے نظیر ہیں کہ گھر کی آگ بجھانے کے بجائے کشمیر میں علیحدگی پسندی کی آگ کو ہوا دے رہی ہیں۔ بدنصیب برادران کشمیر کے لئے تو ان کا دل خون رو رہا ہے اور ان کے وزیر خارجہ مصری سفارت خانے میں ہوئی اموات پر شرم سے اپنا سر پیٹ رہے ہیں۔ لیکن کراچی کی سڑکوں پر

> ان کی مشکل کا سبب ان کا دوہرا کردار ہے جو وہ دو سال سے ادا کر رہی ہیں۔ مغربی دنیا کے سامنے وہ پاکستان کو اعتدال پسند اسلامی ملک کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں۔ دوسری طرف اپنے عوام اور خصوصاً اپنی پروردہ دائیں بازو کی مذہبی سیاسی پارٹیوں اور افراد کے سامنے وہ خود کو اسلام کی ایسی علمبردار کے روپ میں پیش کرتی ہیں جس کے سر پر سے دوپٹہ بھی نہیں سرکتا۔

جاری غارت گری اور بے قصور پاکستانیوں کے سفاکانہ قتل پر انہیں ذرا بھی افسوس نہیں ہوتا۔ گذشتہ گیارہ مہینوں میں سترہ سو افراد مسلح قاتلوں کا نشانہ بن گئے اور بے نظیر نے اس خون کی ہولی روکنے کے لئے کوئی موثر اقدام نہیں کیا۔

کراچی اور پاکستان کے دیگر شہروں کے خونی اور تاریک منظر سے مجرمانہ غفلت برتتے ہوئے گذشتہ ماہ پاکستان پیپلز پارٹی نے بڑے تزک و احتشام اور تحسین و تعریف کے درمیان بے نظیر کی دو سالہ حکومت کا جشن منایا۔ خدارا کوئی راقم السطور کے علم میں اضافہ کرے کہ بے نظیر نے بے عملی اور مایوسی کے ان دو برسوں میں کون سا ایسا کارنامہ کر دکھایا ہے جس کا جشن منایا گیا۔

ایسا لگتا ہے کہ سندھ میں خون بہا کر ابھی تشفی نہیں ہوئی تھی جو مصری سفارت خانے کو بم سے اڑا کر پاکستان میں امن و قانون کی صورت حال کو مزید سنگین بنایا گیا۔ بھٹو انتظامیہ کو چوکنا کرنے والی بات یہ ہے کہ ممتاز درجے کے سکیورٹی زون میں واقع ہونے کے باوجود مصری سفارت خانے پر حملہ ہوا اور یہ کہ ابھی تک اسلام آباد پاکستان کا محفوظ ترین شہر تصور کیا جاتا تھا۔

اسلام آباد میں گذشتہ تین برسوں سے اسلامی انتہا پسندوں سے پنجہ کش مصری حکومت نے اخوان المسلمین اور انقلابی تنظیموں مثلاً الجہاد اور الجماعۃ الاسلامیہ کے خلاف اپنی تحریک تیز تر کر دی ہے۔

پارلیمانی انتخابات میں پرامن اپوزیشن پارٹیوں کو شرکت سے زبردستی روکنے کی خاطر حسنی مبارک کی حکومت تمام مہذب اصولوں اور انسانی حقوق کی پامالی کر رہی ہے۔ اپنی بدعنوان نااہل اور جابر حکومت کی مخالفت کے الزام میں مبارک کی حکومت سینکڑوں افراد کو تختہ دار پر لٹکا چکی ہے اور ہزاروں لوگ جیل کی سلاخوں کے پیچھے سسک رہے ہیں۔

افغانستان کی جنگ کے دوران روس کے خلاف جہاد کے لئے پاکستان نے مسلم دنیا سے آئے ہوئے تمام مجاہدین کا گرم جوش استقبال امریکہ کے ایماء پر کیا تھا۔ قابض فوجوں کے انخلاء کے بعد بہت سے عرب اور مصری فوجی شمال مغربی پاکستان میں رہ گئے جہاں سے افغانستان کی سرحد میں داخلہ مشکل نہیں۔ ایک وقت تھا کہ مجاہدین پاکستان اور امریکہ دونوں کی آنکھ کا تارا تھے لیکن افغانستان کی جنگ میں انہیں استعمال کر لینے کے بعد دونوں نے ہی ان پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔

پاکستان کو دہشت گردی کا اڈہ بنانے والے عناصر پر بے نظیر بھٹو نے ہلہ بولنا لگاتار مصری دباؤ کی بناء پر حال ہی میں شروع کیا ہے۔

پس نوشت کے طور پر یہ کہہ دینا مناسب ہوگا کہ بے قصوروں کو قتل کرنا ہرگز جہاد نہیں ہے۔ مصری سفارت خانے کے سانحے کی ہر باشعور شخص کو مذمت کرنی چاہئے۔ اس کا مقصد کتنا ہی ارفع کیوں نہ ہو یہ ایک غیر اسلامی فعل ہوگا۔ اسلام "جنگ اور محبت پر ہر چیز جائز ہے" کے غیر اخلاقی نظریے کا قائل نہیں ہے اور ایسا عمل اس کے لئے باعث ننگ ہے۔

(انگریزی سے تلخیص و ترجمہ)

## بقیہ: میں بھی قرآن پڑھنا چاہتی ہوں

ناخواندگی دور کرنے کی مہم میں بحرین سب سے آگے ہے وہاں صرف دس فیصد عورتیں پڑھنے سے قاصر ہیں۔ ۱۹۶۰ کے بعد سے خواتین کے گروہوں کے قائم کردہ تعلیم بالغاں کی کلاسوں کو پڑھنے لکھنے کی صلاحیت رکھنے والی عورتوں کو ثانوی تعلیم دلانے کے سرکاری پروگرام سے مربوط کر دیا گیا ہے۔ خواندگی کے بعض مراکز نے شام کے وقت چلنے والے مفت کنڈر گارٹن بھی کھول لئے ہیں۔ تمام عرب ممالک خصوصاً تیل کی دولت رکھنے والے ملکوں میں خصوصاً عورتوں کا معیار زندگی بلند کرنے والی پالیسیاں اختیار کرنے پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ ہر عرب ملک کے دستور میں عورتوں کو تعلیم کے حصول کے مواقع کی یکساں ضمانت دی گئی ہے۔

شام میں وزارت ثقافت جنرل فیڈریشن فار ویمن جیسی بنیادی اہمیت کی تنظیموں کو خواندگی کی کلاسوں کے فروغ کا کام سونپا گیا ہے اور گذشتہ دس برسوں میں نوجوان خواتین میں شرح ناخواندگی ۱۹ سے کم ہو کر بارہ فیصد ہو گئی ہے۔

مصر میں عورتوں کو تعلیم دلانے کی باقاعدہ تحریک کے باوجود ان کی شرح ناخواندگی تقریباً ۶۰ فیصد ہے جب کہ وہاں آبادی میں اضافے کی شرح ۲۴ فیصد ہے جو کہ ترقی پذیر دنیا کی اوسط شرح سے زیادہ ہے۔ حکومت کی پالیسیوں سے زیادہ تعلیم مخالف روایتی اور مذہبی تعصبات نے بھی ذہنوں کو بہت متاثر کیا ہے۔ اسکول جانے والی بچیاں خصوصاً دیہی علاقوں میں آئے دن کام کرانے کے لئے گھر بٹھالی جاتی ہیں اور بہت سی تو ایسی ہیں جنہیں کبھی اسکول جانا میسر ہی نہیں ہوتا۔

لبنان جیسے کم شرح ناخواندگی والے ملک میں جہاں ہر فرد کے لئے تعلیم کی پالیسی پر خاص توجہ دی جاتی ہے لڑکیوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ لبنان کونسل برائے خواتین کی سربراہ امان جارانی کا کہنا ہے کہ اگر کسی باپ کو یہ فیصلہ کرنا ہو کہ بیٹا یا بیٹی میں سے کس کو تعلیم دی جائے تو وہ لڑکے پر انگلی رکھے گا۔ سعودی عرب کے معاشرے میں عورتوں کی شرح ناخواندگی پچاس فیصد ہے۔ گھر سے باہر جاکر تعلیمی پروگراموں میں حاضری دینے کی عمر رسیدہ عورتوں کی طرف سے مخالفت کے باعث وہاں بھی تعلیم نسواں کے میدان میں کوئی خاص ترقی نہیں ہو پائی ہے۔

مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ اسلام اپنے تمام عقیدت مندوں کو علم حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے مہد سے لحد تک علم کی جستجو کا درس دیا۔ پانچ بچوں کی ماں حوری شبیلات پڑھنا چاہتی ہے تاکہ اپنے مذہب کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرے ابھی تک اس نے اسلام کے بارے میں جو بھی جانا ہے وہ اپنی یاد داشت میں محفوظ منظوم کہانیوں کے ذریعے۔ عمان کے نواح میں اپنے مٹی سے بنے ہوئے گھر میں کچے چولہے کے پاس وہ اردن حکومت کی سرپرستی میں تعلیم نسواں کی کلاسوں میں حاضری کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتی ہے کہ میں قرآن پڑھنا چاہتی ہوں جہاں اسے بہت روشن حروف میں لکھا ہوا ملے گا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلم اور مسلمہ پر فرض ہے۔

### نصیراللہ بابر فرماتے ہیں کہ اسلام آباد کی اسلامک یونیورسٹی "مسلم دہشت گردوں" کی جائے پناہ ہے

# پاکستان کی اسلام پسند جماعتیں سرکاری تشدد کی زد پر

امریکہ نے پاکستان کو ہمیشہ اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ جب بھی واشنگٹن کو اپنے کسی مقصد کی تکمیل کے لئے اسلام آباد کی ضرورت محسوس ہوئی، اس نے معاشی و فوجی امداد کا کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ لیا۔ موجودہ معاشی و فوجی امداد بھی اسی امریکی فکر و ضرورت کی عکاس ہے۔ دراصل جغرافیائی فوجی اعتبار سے پاکستان اس وقت امریکہ کی اسکیم میں بہت اہم ہے۔ ترکی اور روس کے راستے سنٹرل ایشیا میں اثر ونفوذ حاصل کرنے میں ناکامی کے بعد امریکہ نے اس مقصد کے لئے اسلام آباد کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

بے نظیر کے زیر حکومت اسلام آباد بھی کم از کم ایک معاملے میں کافی اسمارٹ ثابت ہوا ہے۔ اس وقت امریکہ "اسلامی دہشت گردی" کے موہوم خطرے سے نبرد آزما ہونے کی تیاری میں مصروف ہے۔ ایک پروگرام اور پالیسی کے تحت امریکہ اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ اس کی حامی مسلم حکومتیں اسلام پسندوں کے زیر اقتدار نہ آجائیں۔ امریکہ کی اس فکر اور ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بے نظیر نے خود کو اور اپنے ملک کو معتدل اور واشنگٹن کی نظر میں قابل قبول ثابت کرنے کے لئے اسلام پسند افراد اور جماعتوں کو اپنا ہدف بنالیا۔ پہلے فوج کے تین درجن سے زائد اعلیٰ افسروں پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ ملک میں فوجی اسلامی انقلاب کی سازش کر رہے تھے۔ اس اقدام سے بے نظیر نے نہ صرف اپنے اعتدال کے بارے میں بلکہ امریکہ کو اس ضمن میں بھی یقین دلانے کی کوشش کی کہ پاکستانی فوج کبھی امریکہ مخالف اسلامی افسروں کی سربراہی میں نہیں آنے دی جائے گی۔

بے نظیر حکومت نے اپنی امریکہ نوازی اور اعتدال کے بارے میں مزید ثبوت فراہم کرنے کے لئے حال ہی میں بعض انتہا پسند شیعہ اور سنی جماعتوں کے رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کرلیا ہے۔ یہ گرفتاریاں ۱۱ نومبر کو اسلام آباد میں واقع مصری سفارت خانے میں ایک زبردست دھماکے کے بعد عمل میں آئیں۔ اس دھماکے سے ۱۷ افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہوگئے تھے۔ دھماکے کے فورا بعد پاکستانی وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر ایک بار پھر احمقانہ بیان بازی میں مصروف ہوگئے۔ کراچی میں جاری تشدد کے تعلق سے وہ متعدد بار ایم کیو ایم کے خلاف غیر ذمہ دارانہ اور اشتعال انگیز بیانات دے کر حالات کو بگاڑ چکے ہیں۔ مصری سفارت خانے میں دھماکے کے بعد بھی وہ یاوہ گوئی پر اتر آئے۔ انہوں نے دھماکے کے لئے اسلام پسندوں کو کسی قسم کی تحقیق سے پہلے ہی ذمہ دار ٹھہرا دیا۔ مگر سب سے زیادہ غیر ذمہ دارانہ ان کا یہ بیان تھا کہ اسلام آباد کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی مغربی ایشیا کے دہشت گردوں کی پناہ گاہ ہے۔ ظاہر ہے اس بیان کے بعد نصیر اللہ بابر پر چاروں طرف سے پھٹکار پڑی۔



قاضی حسین احمد ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے

اسلام آباد کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کئی عرب اور خلیجی ممالک کے تعاون سے چل رہی ہے اور پاکستان میں اسے عالمگیر اسلامیت کی علامت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ خود پاکستانی سیاست میں عالمگیر اسلامی اتحاد کے متعلق مختلف پارٹیوں کے جذبات بہت شدید ہیں۔ ہزاروں لوگ اس یونیورسٹی کو عالمگیر اسلامی اتحاد کا ایک چھوٹا سا نمونہ تصور کرتے ہیں۔ نصیر اللہ بابر امریکہ کے پٹھو ہونے کے ناطے ظاہر ہے ایسے کسی بھی تصور، تحریک اور ادارے کی مخالفت فطری طور پر کریں گے جو امریکی فکر و پالیسی کے اعتبار سے "خطرناک" ہے۔

مصری سفارت خانے میں دھماکے کو اسلامی دہشت گردی" سے جوڑنے کی ایک وجہ پریس لے ایک حصے کے مطابق، حال ہی میں ختم ہونے والی پاکستان جماعت اسلامی کی کانفرنس بھی بتائی گئی ہے۔ لاہور کی اس کانفرنس میں دنیا جہاں کے نمائندوں نے شرکت کی تھی جس میں مغربی ایشیا کے ممالک اور مصر سے بھی لوگ شامل ہوئے تھے۔ اس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے قاضی حسین احمد نے بے نظیر حکومت کو ختم کرنے کے لئے جدوجہد تیز کرنے کے ساتھ مصر سے بھی یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ مغرب پرستی اور امریکہ نوازی کی روش چھوڑ دے۔ لیکن ظاہر ہے یہ بیان ایک بڑے عالمی تناظر میں دیا گیا تھا اور اس کا مقصد کسی کو مصری سفارت خانے کو بم سے اڑانے کی ترغیب دینا نہیں تھا۔



مصری سفارت خانہ دھماکہ کے بعد

مصری سفارت خانے پر دھماکہ دراصل خود مصر کی اندرونی پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ مصر ہی کی دو جماعتوں اسلامی جہاد اور الجماعۃ الاسلامیہ نے اس دھماکے کی ذمہ داری قبول بھی کی ہے جن کے خلاف حسنی مبارک انسانیت سوز حربے استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ یہ تنظیمیں مصر کے اندر بھی ظالم و جابر مبارک حکومت کے خلاف برسرپیکار ہیں اور اب غالبا ملک سے باہر بھی انہوں نے مصری ٹھکانوں پر حملے کرنے کا آغاز کردیا ہے۔ ایسے دھماکوں کے بعد محض "اسلامی دہشت گردی" کی لعن طعن کردینے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ امریکہ سمیت ایک عالم کو معلوم ہے کہ حسنی مبارک ہوں یا ان جیسے دوسرے عرب اور اسلامی حکمران، ان سب کے اقتدار کی بنیاد ظلم و غضب، ناانصافی اور استحصال پر قائم ہے اور یہی ان سارے ممالک میں بے اطمینانی اور شورش کا سبب بھی ہے۔ جب تک اس نوعیت کے بنیادی اسباب کا خاتمہ نہیں ہوتا مصر اور دوسرے مسلم ممالک سے مسلح جدوجہد کا اختتام بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ "جدوجہد" اگر کہیں پرتشدد ہوتی ہے تو اس کی بنیادی وجہ ریاستی دہشت گردی اور فکر و عمل کی آزادی پر سرکاری پابندی ہے۔

# "میں بھی قرآن پڑھنا چاہتی ہوں"

### عالم اسلام کی ۸۰ فی صد خواتین ناخواندہ

مغربی ایشیا کے اسلامی ممالک کی عورتیں خواہ وہ مصر کے کھیتوں میں کام کرنے والی جلباب پوش ہوں یا پیرس کے بازاروں میں خریداری میں مصروف مہذب سعودی خواتین۔ سب ایک مشترک مسئلے سے دوچار ہیں۔ دنیا کے کسی حصے کی خواتین کے مقابلے میں ان کے درمیان ناخواندہ عورتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

یونیسکو کی ایک حالیہ رپورٹ شاہد ہے کہ کل ۶۶ ملین عرب عورتوں میں سے تقریبا ۸۰ فیصد پڑھنے سے قاصر ہیں۔ یہ تعداد دنیا کے سب سے کم ترقی یافتہ ملک کے ۶۵ فیصد شرح ناخواندگی کے بہت قریب ہے۔ مجموعی طور پر تمام ترقی پذیر ممالک کی عورتوں میں سے ۶۰ فیصد ناخواندہ ہیں۔

پڑھنے سے قاصر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ عرب معاشرہ کا ایک بڑا حصہ پوری طرح سے فعال نہیں ہے۔ عورتیں اپنے بھروسے پر باہر نکلنے کی ہمت اس لئے نہیں کرتیں کہ وہ سڑک پر لگے ہوئے رہنما اشارے نہیں پڑھ سکتی ہیں اور نہ ہی بسوں پر لکھی ہوئی منزل کی تمیز کر سکتی ہیں۔ اخبار و رسائل کا مصرف ان کے نزدیک اگر ہے تو یہی کہ ان میں سبزی لپیٹ لی جائے یا وقت ضرورت اسے دسترخوان کے طور پر استعمال کرلیا جائے۔ باہر کی دنیا سے واقف ہونے کا ذریعہ تو کبھی وہ ایسی چیزوں کو سمجھتی ہی نہیں ہیں۔



عمان سے جنوب میں ۲۵۰ کلومیٹر دور ایک بستی میں رہنے والی چھ بچوں کی ماں فاطمہ عوان لی خواہش ہے کہ اس کے بچے جب بیمار پڑیں تو وہ ان کا علاج کرنے کا طریقہ سیکھ لے۔ اپنے مقامی کمیونٹی سینٹر میں وہ کتاب کھولے ہوئے ایک ڈسک پر جھکی ہوئی ہے۔ کتاب کے ہر صفحے پر جنہیں وہ یکے بعد دیگرے کھولتی جاتی ہے عربی زبان کا ایک نیا حرف لکھا ہوا ہے۔ وہ لکھنا اور جوڑنا گھٹانا بھی سیکھ رہی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ان کے بغیر اس کے لئے آسان کاموں کا انجام دینا مثلا حال ہی میں ہسپتال میں زیر علاج ایک رشتے دار کی تیمارداری اور عیادت بھی مشکل ہے۔ وہ ہسپتال کے وارڈوں کی شناخت بھی نہیں کر سکتی کیونکہ اسے پڑھنا تو آتا ہی نہیں۔

چوتھی عالمی کانفرنس برائے خواتین ۱۹۹۵ء کی تیاری کے سلسلے میں عمان میں منعقد مقامی میٹنگ میں الجیریا کی سرکاری نمائندہ اور تعلیمی انقلابی سعیدہ بن مبہلاس کا بیان ہے کہ ناخواندگی عرب عورت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور اس مشکل کا علاج سب سے پہلے ہونا چاہئے۔ کانفرنس میں جاری کردہ دستاویزات کے مطابق یہ مسئلہ اپنی شدید ترین شکل میں یمن میں دیکھنے کو ملتا ہے جہاں عورتوں کی کل آبادی کا ۸۵ فیصد حصہ پڑھنے لکھنے کی صلاحیت سے محروم ہے اور اس طرح تقریبا ۵۵ فیصد یمنی مرد بھی ناخواندہ ہیں۔ دیہی علاقوں میں جہاں عورتوں کی تعلیم کو سماجی ملنک تصور کیا جاتا ہے یہ شرح ۹۶ فیصد تک پہنچتی ہے۔

باقی صفحہ ۲ پر

بوسنیا اور چیچنیا میں کامیاب مہم جوئی کے بعد اب ملّی پارلیامنٹ نے
ہندوستانی مسلمانوں کو پچاس سالہ سیاسی غلامی سے نجات دلانے کا فیصلہ کیا ہے

## مابعد انہدام ہندوستان میں

جب مسلمانوں کا سیاسی مستقبل کفار و مشرکین کے ہاتھوں تار تار ہو چکا ہو
جب مشرک سیاسی پارٹیوں نے اسلام اور مسلمانوں کا تقدس پامال کر رکھا ہو
جب ہمارے بے بس علمائے کرام اور محترم ملی شخصیات کفار و مشرکین کی جوتیاں سیدھی کرنے پر مجبور ہوں
جب عام مسلمان حالات کی شدت سے تنگ آکر پوچھتا ہو کہ وہ اس سیاسی دنگل میں کیا کرے؟
اور جب یہ واضح طور پر محسوس ہونے لگے کہ خدا کے آخری رسول کی امت پر بے بسی کے شکنجے مزید سخت ہوتے جا رہے ہیں
تو ایک ایسی سنگین صورت حال میں امت کے غیور افراد پر لازم ہے کہ وہ سیاسی غلامی کی زنجیریں کاٹنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں
الحمدللہ کہ
ہندوستانی مسلمانوں کو ایک نئی صبح کی بشارت دینے کیلئے ملک بھر سے اراکین ملی پارلیامنٹ اور دردمندان امت کے قافلے پٹنہ پہنچ رہے ہیں جہاں

# ملّی پارلیامنٹ

۱۴/۱۵ جنوری ۱۹۹۶ء

بمقام: شری کرشن میموریل ہال پٹنہ

کے پٹنہ اجلاس میں سیاسی بل کے مسودے پر بحث کے بعد اسے حتمی شکل دی جائے گی اور ان انقلابی اقدامات کا اعلان کیا جائے گا جن سے سیاسی غلامی کی زنجیریں کٹ سکیں

## آپ کیا کریں؟

للہ آخری رسول کی امت کو کفار و مشرکین کے لئے نوالۂ تر بننے سے بچایئے
اپنے علاقے میں دردمندان امت کے بڑے بڑے جلسے منعقد کیجئے اور پٹنہ اجلاس کے لئے سفارشات ترتیب دیجئے
تاریک راتوں میں اٹھ کر گریہ وزاری کیجئے کہ اللہ ہمارے دلوں پر ایک راستہ منکشف کردے
ہر شہر اور گاؤں سے چھوٹے چھوٹے منظم قافلوں کی شکل میں پٹنہ اجلاس میں شرکت کیلئے تیاری کیجئے
اور اس ملک میں ایک نئی صبح کے قیام کے لئے آپ سے جو کچھ بن پڑے ضرور کیجئے
اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو

**ڈاکٹر راشد شاذ**
قائد ملی پارلیامنٹ

مزید تفصیلات کے لئے رابطہ کیجئے:


کمال الظفر ناظم پٹنہ اجلاس ہونس حمید پور کرجی، صداقت آشرم پٹنہ ۱۰

مرکزی دفتر: نیو سرسیّد نگر، علی گڑھ Tel/Fax: (0571)400182
دہلی دفتر: Fax: (011) 6926030 Tel: (011) 6827018

# پولیس تھانوں سے سورت فسادات کی ایف آئی آر فائلیں غائب

سورت سے غلام انصاری کی رپورٹ

## ۶؍دسمبر ۹۲ء کے مسلم کش فسادات کے زخم ابھی تازہ ہیں

جب بھی بابری مسجد کی شہادت کا ذکر ہوگا سورت کے فرقہ وارانہ فسادات اپنے آپ تازہ ہوجائیں گے۔ دسمبر ۱۹۹۲ء کو تین سال کا عرصہ مکمل ہوگیا لیکن ایسا لگتا کہ سورت کے فساد میں براہ راست ملوث شرپسند عناصر کو گرفتار کرنے کی سیاسی قوت ریاستی حکومت کھوچکی ہے یا پھر سابقہ کانگریسی سرکار کے نقش قدم پر چل کر حالیہ سرکار بھی "مگر ہم چپ رہیں گے" کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہے اور شاید ریاستی حکومت یہ سوچ رہی ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ۱۹۹۲ء میں سورت کے فرقہ وارانہ فسادات کو عوام اپنے آپ بھلادیں گے! لیکن اگر کوئی یتیم ہوئے بچوں، بیوہ ہوئی خواتین یا عصمت دری کا شکار ہوئی عورتوں سے دریافت کرے گا کہ ان کے دل پر لگے زخم کیا بھر گئے؟ اس وقت اسے زندگی کے درد و کرب کا حقیقی احساس ہوسکے گا۔ فسادات مسلم مخالف سرگرمیوں کا ایک انتہائی اہم اور مستحکم حصہ تھے۔ سیکڑوں مرد و خواتین اور بچوں کے قتل عام کے علاوہ بڑی تعداد میں خواتین پر کی گئی اجتماعی عصمت دری جیسے وحشیانہ اقدامات کا بھی سورت خاموش تماشائی اور گواہ بنا رہا۔ اتنے پر ہی اکتفا نہ کرتے ہوئے حملہ آور شرپسندوں نے ایک قدم آگے بڑھ کر اپنی "بہادری" کی ویڈیو کیسٹ بھی تیار کی۔

سورت کے جن علاقوں میں قتل عام کے واقعات رونما ہوئے وہاں کے مقامی پولیس تھانوں میں سینکڑوں کی تعداد میں ایف آئی آر درج کرائی گئی تھیں۔ بیشتر لوگوں نے ایف آئی آر میں حملہ آوروں کے نام تک لکھوائے تھے لیکن افسوس آج تک ایک بھی شرپسند عناصر کو گرفتار نہ کیا گیا اور شاید حکام کو اب ان کا نام بھی یاد نہیں ہوگا۔

دوران فساد فوری اقدامات کے فقدان کے متعلق دریافت کئے جانے پر مقامی پولیس کا کہنا ہے کہ بالکل کم تعداد میں ایف آئی آر درج کرائی گئی ہیں جو کہ سفید جھوٹ کے مترادف



ہے کیونکہ بذات خود مشاہدہ کرنے والے بہت سے لوگوں نے مختلف پولیس تھانوں میں سورت کے فسادات کی ایف آئی آر کو بڑی تعداد یا یوں کہا جائے کہ ذخیرہ کی صورت میں دیکھا تھا۔ اس کے باوجود پولیس کے جواب کے مطابق پوچھا گیا کہ بالکل کم تعداد میں درج کرائی گئی ایف آئی آر کے تئیں کیا اقدامات اٹھائے گئے تو پولیس کا جواب یہ رہا کہ "وہ تمام رپورٹیں (ایف آئی آر) گم ہوگئی ہیں"۔ عام طور پر ایف آئی آر چار نقلوں میں تیار کی جاتی ہے لہذا انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ تمام رپورٹوں کی چاروں کی چاروں نقلیں گم ہوگئیں (یا پھر گم کردی گئیں؟) اور اس کے متعلق ریاستی سرکار اعلیٰ پولیس افسران میں سے کسی کو بھی ذمہ دار نہیں سمجھتی؟

مذکورہ فسادات کے متعلق پروفیسر گھنشیام شاہ کے زیر نگرانی سرگرم تعلیمی ادارہ دی سینٹر فار سوشل اسٹڈیز کے پاس اس درندگی اور قتل عام کے مضبوط شواہد پر مبنی رپورٹ موجود ہے جو سورت کے فسادات کے چپے چپے کی خبر رکھتی ہے۔

اس رپورٹ کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد ایک بات صاف طور پر واضح ہوجاتی ہے کہ اقلیتوں پر کئے گئے حملے و مظالم انتہائی منصوبہ بند تھے۔ رپورٹ میں سورت کی بدصورتی کے لئے صاف لفظوں میں شیو سینا اور بی جے پی کو مورد الزام قرار دیا گیا ہے۔

رپورٹ میں ایک اور بات سے پردہ اٹھتا ہے کہ فسادات سے قبل ایک دستہ نے الیکشن کمیشن کی آفس یا راشن کارڈ کی تجدید کرنے کے بہانے سے مسلم علاقوں میں آکر ان کے گھروں کی فہرست تیار کی تھی لہذا قتل عام کرنے کے لئے ٹرک بھر بھر کر حملہ آور آئے تھے جن کے چہروں پر نقاب تھی ان کے ہاتھوں میں مسلم گھروں کی فہرستیں تھیں۔ لہذا چاروں طرف آگ کے شعلے آسمانوں سے باتیں کررہے تھے لیکن ان علاقوں میں واقع ہندوؤں کے گھروں کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا حملہ آوروں نے یہاں حملہ کرنے سے قبل بجلی، پانی اور ٹیلی فون کا رابطہ منقطع کردیا تھا۔ مسلم خواتین پر کی گئی اجتماعی عصمت دری کی ویڈیو فلم بنانے کے لئے موبائل لائٹس بھی لائی گئی تھیں۔ کیا ویڈیو کیسٹ کی ایک بھی نقل پولیس محکمے کے ہاتھ اب تک نہیں آئی؟؟

سورت کے وجے نگر میں پانی کے پائپوں کو ڈالنے کے بہانے واردات سے چند روز قبل ہی بڑے بڑے گڑھے کھود دئے گئے تھے جو فسادات کے دوران متاثرین کو بھاگنے اور اپنی جانیں بچانے میں انتہائی دشوار کن ثابت ہوئے اور اس قتل عام کے ثبوتوں کو ختم کرنے کے لئے بہت سی لاشیں ان گڑھوں اور خندقوں میں ڈال کر نذر آتش کردی گئی تھیں۔

لہذا مذکورہ رپورٹ سے یہ بات اب بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ سورت کے فسادات اقلیت و مسلم مخالف ذہنیت پر منحصر اور ان کا قتل عام کرنے کی غرض سے کرائے گئے تھے تاکہ سورت میں فروغ پارہے (اور ریاستی پیمانے پر چھارہے) اقلیتوں کو سماجی، اقتصادی و صنعتی اور تعلیمی طور پر ختم کردیا جائے۔ ایسی صورت میں کہ ریاستی حکومت کی باگ ڈور بی جے پی کے ہاتھ میں ہے۔ کیا سورت کے متاثرہ لوگوں کو انصاف مل سکے گا۔؟ کیا راؤ سرکار اپنی نیا ڈوبنے سے پیشتر سورت کے تئیں کسی صورت ذاتی دلچسپی دکھاکر ٹھوس اور غیر جانبدارانہ اقدامات اٹھانے کی اب بھی پہل کرسکے گی؟

# بہار شریف میں خطرناک ہینڈبل کی تقسیم

تسنیم بلخی کی رپورٹ

ریاستی ہندو تنظیموں کی جانب سے بہار شریف میں ایک ہینڈبل تقسیم کیا گیا ہے جسے رازداری سے صرف ہندوؤں کو ہی دیا گیا ہے۔ اس ہینڈبل میں لکھا ہے کہ ملکی آمدنی میں ہر سال ۳۹۹۶ کروڑ روپیہ جانوروں سے حاصل ہوتا ہے (۱۹۹۵ء کے سروے سے) چالیس ہزار میگاواٹ بجلی بھی جانوروں سے حاصل ہوتی ہے۔ پانچ کروڑ ٹن دودھ ہر دن جانوروں سے ملتا ہے، ہزاروں ٹن اون حاصل ہوتا ہے۔ مشہور ایکانومسٹ پروفیسر سی این وکیل کے مطابق ۵، فیصد آمدنی جانوروں سے حاصل ہوتی ہے۔ ملک کی کل بجلی طاقت کا ۵، فیصد حصہ جانوروں سے مل سکتا ہے۔ آگے لکھا ہے کہ جانور کسی عمر میں کبھی بھی غیر منافع بخش نہیں ہے۔ ایک تندرست جانور سال میں ۳۶۵۰ روپے کا چارہ کھاتا ہے اس کے گوبر سے بنی کھاد دو ہزار میں بکتی ہے۔ آگے اس ہینڈبل میں جانوروں کی زندگیوں کو انسانوں کی زندگیوں یا ہندوؤں کی زندگیوں سے جوڑا گیا ہے۔ فائدہ کے لحاظ سے جسے مسلمان قتل کرکے کھاجانے کو اپنا اسلامی فرض سمجھتے ہیں۔ پارلیامنٹ میں دئے گئے سروے کے مطابق پورے ملک میں ہر منٹ پر بیس گئو کشی مسلمان کرتے ہیں۔ ۲۹۵۰۰ گائے بیل روزانہ کاٹے جاتے ہیں۔ ۹۴-۱۹۹۳ء سال کے سروے میں بھارت سرکار نے ۹۰۹۶۶۹ ٹن جانور کا گوشت باہر ملکوں کو بھیجا ۹۵-۱۹۹۴ء میں دو لاکھ ٹن سپلائی کرنے کا نشانہ بھارت سرکار نے رکھا ہے۔ دیونار بمبئی میں ہر سال ۲۷۰۳۹۹۶ گائے، بیل، بھینس، بکری، بھیڑ کٹتے ہیں، کلکتہ کبیل خانہ میں دوسرے جانوروں کے ساتھ چودہ لاکھ گائے بیل ہر سال کٹتے ہیں۔ درگاہ دہلی میں ۱۲۰۰۰ جانور روزانہ کاٹے جاتے ہیں اور ٹرک پر اناج کے بورے کی طرح ادھر ادھر بکری کی جگہوں تک لے جائے جاتے ہیں۔ الکبیر حیدر آباد میں ۴۰۰۰ جانور

> اس ہینڈبل میں بالواسطہ طور پر مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اگر انتظامیہ نے وقت رہتے ایسے خطرناک مواد والے مضامین کو شہر میں تقسیم کرنے سے نہیں روکا تو اس کے خطرناک نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

روز کاٹے جاتے ہیں۔ چیونگم میں گائے کا گوشت ملا رہتا ہے۔ پیپسی کی چٹنی میں گائے کے گوشت کا کچھ حصہ رہتا ہے۔ سرکار کا جواب ہے کہ جانوروں کی پیداوار زیادہ ہے اس لئے اس کے کٹنے سے کوئی حرج نہیں ہے جبکہ بھارت کا جانور یہاں کی صاف ستھری فضا کا ایک حصہ ہے سرکار ڈالر اور ریال حاصل کرنے کی لالچ میں غیر ممالک گوشت سپلائی کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتی ہے۔، نومبر ۱۹۶۶ء کو گوپاشٹمی کے تہوار کے دن پارلیامنٹ کے سامنے سادھو سنتوں نے گئو کشی کے خلاف احتجاج کیا تھا جس پر اندرا گاندھی نے لاٹھی اور گولی چلوا دی تھی جس کے نتیجہ میں ۳۱ اکتوبر کو اسی دن اندرا گاندھی کا قتل ہوا، نہرو کا نواسہ سنجے بھی اسی دن ہوائی حادثہ میں مرا اور راجیو گاندھی بھی اسی دن مارے گئے ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ گئو کشی کی جو بھی مخالفت کرے گا اس کا خاندان تباہ و برباد ہوکر رہے گا۔

اس ہینڈبل میں بالواسطہ طور پر مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں میں نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر انتظامیہ نے وقت رہتے اس ہینڈبل اور ایسے خطرناک مواد والے مضامین کو شہر میں تقسیم کرنے سے نہیں روکا تو اس کے خطرناک نتائج برآمد ہوں گے۔ انتظامیہ کو فوراً اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ اور ایسے پمفلٹ کی تقسیم پر پابندی لگانی چاہئے۔

•

# "باہر آکر مجھے محسوس ہوا کہ میں ان کمینوں کو سبق سکھا سکتا ہوں"

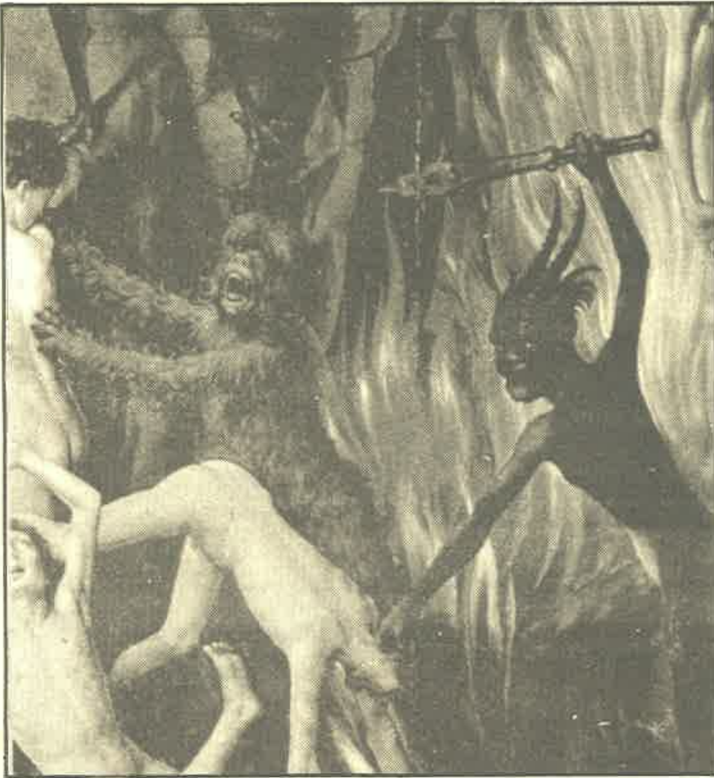
## باغی رفیق سے انٹرویو: ابلیس کے ہیڈ کوارٹر کا انکشاف

ساتویں قسط

دمشق کی جامع مسجد میں جھٹپٹے کا منظر تھا۔ مغرب کی نماز ابھی ختم ہی ہوئی تھی۔ میں ایک ستون سے ٹیک لگائے ذکر میں مصروف تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوتا ہے۔ حیرت بھری نظروں سے در و دیوار کو دیکھتا ہے۔ اس کے انداز سے یہ لگتا ہے کہ یہ جگہ اس کے لئے نئی نئی ہو اور وہ اس ماحول سے کچھ زیادہ مانوس نہ ہو۔ اس کی شکل و صورت اور لباس سے بھی ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی اجنبی ہو لیکن مقامی انداز اختیار کر کے شامی لباس میں اپنی شناخت کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہو۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی پریشان حال مسافر ہو جو کسی مدد کا طالب ہو۔ خود اس کے چہرے پر ایک قسم کی وحشت نمایاں تھی۔ میرے دل میں خیال آیا کیوں نہ اس شخص کی مدد کی جائے۔ میں اس کی طرف بڑھا اور انتہائی مہربان لہجے میں اس سے یہ پوچھنے کی کوشش کی کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور یہ کہ آیا وہ کسی رہنمائی کا محتاج ہے۔ میری نرم کلامی نے آگے کی گفتگو کے لئے راہ ہموار کردی۔ کہنے لگا بس مجھے ایک مسافر سمجھو۔ اس عجیب و غریب عمارت، بلند مینارے اور خوبصورت گنبد کو دیکھ کر ایک لمحے کو خیال آیا کہ شاید یہ اس شہر کی کوئی اہم عمارت ہو۔ لہذا اس کے بارے میں مزید جاننے کا داعیہ پیدا ہوا۔ باہر لوگوں سے معلوم کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ عام جگہ نہیں ایک خدائے واحد کی عبادت کا مرکز ہے۔ یہ سوچ کر اچانک بے اختیار تجسس پیدا ہوا کہ جس خدائے واحد کی عبادت کا تذکرہ سنتے عمر گزری اس کے اتنے قریب پہنچ کر کیوں نہ اس کے بارے میں مزید معلومات کی جائے، سو اندر داخل ہو گیا لیکن اتنے بڑے خدا کی عبادت کا مرکز اپنے اندر اتنی سادگی لئے ہوئے ہوگا یہ جان کر حیرت ہوئی۔

اس شخص کے حیرت انگیز جواب سن کر ایک لمحے کو میں نے سوچا کہ یہ شخص بھی دمشق آنے والے دوسرے بہت سے سیاحوں سے مختلف معلوم نہیں ہوتا۔ پھر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس کی واقفیت اتنی کم کیوں ہے کہیں یہ تجاہل عارفانہ سے کام تو نہیں لے رہا ہے۔ پھر یہ سوچ کر کہ اگر کسی شخص کو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں دلچسپی ہے تو اسے وافر معلومات فراہم کرنا بھی میری ذمہ داری ہے۔ میں نے بڑے احترام سے اس شخص کو اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ اور اس کے بارے میں مزید تفصیل جاننا چاہی۔ پہلے تو اس نے سارے سوالات کے جوابات مبہم دئے لیکن جب اسے اس بات کا احساس ہوتا گیا کہ اپنی صحیح شناخت بتائے بغیر اس کے لئے مجھ سے استفادہ کچھ آسان نہ ہوگا۔ اور اس احساس کے بعد کہ اس کا واسطہ ایک خوش اخلاق اور ہمدرد شخص سے ہے۔ اس نے اپنے بارے میں ایک ایسی بات کا انکشاف کیا کہ میں چند لمحے کے لئے سناٹے میں آگیا اور مجھے سخت وحشت ہوئی۔ گویا اب تک میں ایک جن سے ہمکلام تھا جو انسانی شکل و صورت میں میرے سامنے بیٹھا ہے۔ لیکن اس بات پر کیسے اعتبار کیا جائے۔ میں نے اپنے شک کا اظہار کیا پھر کیا دیکھتا ہوں کہ پہلو میں بیٹھا شخص اچانک کافور ہوگیا۔ اب مجھے اس شخص سے وحشت معلوم ہوئی اور اب میں پہلے سے کہیں زیادہ حضور قلب کے ساتھ اذکار میں مصروف ہوگیا۔ ابھی میں ان ہی خیال میں محو تھا اور زبان ذکر سے تر تھی کہ کیا دیکھتا ہوں کہ وہی شخص دوبارہ میرے پہلو میں براجمان ہے۔ کہنے لگا اب شاید تمہیں یقین آگیا ہو کہ میں دنیائے جن کا ایک باشندہ ہوں۔ اور یہ کہ اس عمارت اور اس مذہب کے بارے میں جاننے کی میری خواہش دراصل تلاش حق کا ایک حصہ ہے۔

بچپن سے میں نے جنوں کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ محلے پڑوس میں کسی شخص کے اوپر جن کا آنا اور شریر جنوں کے شر سے نجات دلانے والے مخصوص وضع قطع کے لوگوں سے بھی واقف تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں ان واقعات کو قصے کہانیاں سمجھتا تھا اور میری نظر میں جنوں کے قصے، بھوت پریت اور کوہ قاف کی پریوں سے زیادہ کچھ حقیقت نہ رکھتے تھے گو کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے قلبی طور پر یہ تسلیم کرتا تھا کہ جنوں کا وجود برحق ہے کہ اس کا تذکرہ واضح الفاظ میں قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود عقلی طور پر میں نے اس مسئلہ پر سنجیدگی سے کبھی غور نہیں کیا حالانکہ علوم اسلام کے مطالعے کے دوران بار بار شیاطین اور جن کے تذکروں سے سابقہ پڑتا رہا لیکن نہ جانے کیوں میں ان امور پر رکنے اور غور کرنے کے بجائے سرسری گزر جاتا تھا۔ اب جو اچانک ایک ایسے شخص سے سابقہ پیش آیا جو خود کو جنوں کی قوم سے متعلق بتاتا تھا۔ اور جس کے ثبوت میں اس نے وہ تمام عملی اور نظری مظاہر پیش کردئے جن کی صحت کتاب و سنت کے نزدیک بھی تسلیم شدہ ہے تو مجھے اچانک ایسا لگا کہ یہ شخص جس سے اب تک صرف خوف اور دہشت ہورہی تھی یہ ایک انتہائی دلچسپ شخص بھی ثابت ہوسکتا ہے اور اس کے ذریعہ بعض ان حقائق کا پتہ چل سکتا ہے جس تک ہم انسانوں کی رسائی مشکل ہے۔ پھر کیوں نہ اس شخص کو اپنی مہربانیوں اور لطف و کرم سے کچھ اس طرح گرفتار کرلیا جائے کہ یہ کم از کم میرے سوالوں کا تشفی بخش جواب دینے تک اچانک غائب نہ ہوجائے یہ سوچ کر میں نے اسے ایک کریم میزبان کی حیثیت سے ضیافت کی پیش کش کی، دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اسے اپنے غریب خانے کو بطور مہمان عزت بخشنے کی دعوت دی۔



> یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ آقائے ابلیس سے میری بغاوت اور تخت عظیم سے میرا فرار تلاش حق کے لئے ہے بلکہ میرا بنیادی اختلاف بعض پالیسی امور سے شروع ہوا اور اچانک میرے ساتھ ایک خوش گوار حادثہ پیش آیا اور اس نے میرے فرار کی راہ کھول دی

میرے اس لطف و کرم کے رویے نے بالآخر بہت جلد اسے ایک بے تکلف شخص میں تبدیل کردیا۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ میں یوں تو اس مسجد کا ایک معمولی خادم ہوں لیکن میری دلچسپی صحافت میں بھی ہے اور میں بعض بین الاقوامی اخبارات کے لئے کالم بھی لکھتا ہوں۔ پھر کیا ہی بہتر ہوگا کہ جنوں کی دنیا کی بعض اہم معلومات کو قارئین تک پہنچاؤں۔ میری اس پیش کش پر پہلے تو وہ ایک لمحے خاموش رہا پھر مسکرایا کہنے لگا محض معلومات نہیں بلکہ بعض ایسے انکشافات جن کا علم انسان تو کیا جنوں کی عظیم اکثریت کو بھی نہ ہوگا۔ میں نے پوچھا بھلا ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ کہنے لگا ہاں ایسا ہی ہوگا۔ لیکن پہلے تم مجھے بعض سوالات کے جوابات فراہم کرو کہ مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے۔ شاید ہم دونوں کی ملاقات انسانی تاریخ کی تبدیلی کا نقطہ آغاز بن جائے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ تمہاری مراد شاید جنوں اور انسانوں کی دنیا کے مستقبل میں ایک دوسرے کے قریب آجانے سے ہے۔ کہنے لگا نہیں بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ حیرت انگیز۔ میری سمجھ میں اس کے یہ اشارے کچھ آئے کچھ نہ آئے۔ گھر قریب آچکا تھا۔ میں نے کہا خیر چھوڑو ان باتوں کو اطمینان سے گفتگو کریں گے۔

تھوڑی دیر کی گفتگو اور تبادلہ خیال کے بعد مجھے اس جن سے اب کچھ ڈر لگنے لگا کہ وہ جس علمی انداز سے گفتگو کرتا تھا اور انسانی دنیا کے بڑے بڑے الٹ پھیر پر اس کی جتنی گہری نگاہ تھی اس سے تو یہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص کوئی عام جن نہیں بلکہ کوئی غیر معمولی مناصب والا جن ہے اور یہ کہ انسانی تاریخ کے بارے میں اس کا مطالعہ خاصا وسیع اور دلچسپ ہے۔ مزید یہ کہ اسے انسانی نفسیات کو سمجھنے اور انسانی کمزوریوں پر انگلیاں رکھ دینے کا خاص ملکہ حاصل ہے۔ پھر یہ کون ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ اور جنوں کی دنیا سے نکل کر انسانی آبادی میں کس چیز کی تلاش میں سرگرداں ہے؟ اس قسم کے سوالات نے ایک بار پھر میرے دل میں اس کے لئے شکوک و شبہات پیدا کردئے۔ لیکن اس دفعہ شک اس بات پر نہیں تھا کہ وہ واقعی جن ہے بلکہ اس بات پر تھا کہ وہ کوئی عام جن نہیں بلکہ اس دنیا کا ایک اہم شخص ہے اور یقینا بڑے یا خطرناک مقاصد کے لئے ہمارے شہر کا چکر لگا رہا ہے۔

لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اتنی بھی جلدی کیا مزید کریدنے سے کچھ نہ کچھ تو پردے اٹھیں گے۔ پھر یہ کہ میں اس کو اسلام کا پیغام ہی پہنچا رہا ہوں اس میں دہشت زدہ ہونے کی ضرورت کیا ہے؟۔ یہ سب سوچ کر میں نے خود کو اللہ کی پناہ میں دے دیا اور ایک بار پھر ایک ہمدرد میزبان کی حیثیت سے اس کی تواضع میں مشغول ہوگیا۔ البتہ میں نے اپنے گھر والوں کو یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ ہمارا یہ محترم مہمان کوئی غیر معمولی جن ہے۔ مبادا کہ وہ خوف زدہ ہوجائیں اور یہ بات پڑوس میں پھیل جائے۔

چند گھنٹوں کی گفتگو کے بعد یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ جاروجا نامی یہ جن کوئی اور ہستی نہیں بلکہ دنیائے ابلیس کا ایک مفرور فرد ہے۔ ایک ایسا باغی ہے جس نے صدیوں کی رفاقت کے بعد ابلیس سے بغاوت کی ہے اور جسے ابلیس کے ہیڈ کوارٹر میں ایک مدت تک پالیسی امور طے کرنے کی ذمہ داری انجام دینی پڑی ہے۔ میں نے پوچھا پھر اچانک اسے انسانی دنیا کی سیر کا خیال کیونکر آیا اور یہ کہ ایک مدت تک نظام باطل کے غلبہ کے لئے متحرک رہنے کے بعد اب اس کے اندر اچانک تلاش حق کا [illegible] کیونکر [illegible] ہوا۔ کہنے لگا۔ کہانی بڑی طویل ہے کہ ایک طویل مدت تک باطل کی عینک سے دیکھتے دیکھتے اب ہمیں حق بھی باطل ہی نظر آتا ہے۔ صحیح اور غلط کی تمیز جاتی رہی ہے۔ بھلے اور برے میں فرق کرنا مشکل ہے۔ لہذا یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ آقائے ابلیس سے میری بغاوت اور تخت عظیم سے میرا فرار تلاش حق کے لئے ہے بلکہ میرا بنیادی اختلاف بعض پالیسی امور سے شروع ہوا۔ نظام باطل کے ایک ادنی خادم کی حیثیت سے اور صدیوں کی خدمات اور تجربے کی بنیاد پر میں یہ سمجھتا تھا کہ بعض مسائل پر میری آراء اور فیصلوں کو تسلیم کیا جانا چاہئے تھا۔ مجھے کچھ بھی قلق نہ ہوتا اگر میری رائے کو ذرا بھی اہمیت دی جاتی یا اسے چند لمحے کے لئے قابل بحث ہی سمجھا جاتا۔ الٹا ہوا یہ کہ میرے مخلصانہ مشوروں کو مخالفت پر محمول کیا گیا۔ عظیم جنرل اسمبلی میں ایک معمولی عہدیدار نے مجھ پر پھبتیاں کسیں اور آقائے ابلیس نے میرے تمسخر اڑانے کو شہ دی۔ طویل خدمات کے نتیجے میں کیا مجھے یہی سب کچھ مل سکتا تھا؟ اسمبلی میں میری لابی کی تعداد بھی کم نہ تھی لیکن میں نے یہ محسوس کیا کہ آقائے ابلیس کی ایک پھنکار ان سبھوں کو خاموش کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اس اذیت ناک صورت، حال میں کام کرنا میرے لئے مشکل ہوتا گیا پھر اچانک میرے ساتھ ایک خوشگوار حادثہ پیش آیا جس نے میرے لئے فرار کی راہ کھول دی۔ باہر آکر اب مجھے محسوس ہورہا ہے کہ میں ان کمینوں کو سبق سکھا سکتا ہوں اور بعض اہم راز تو میرے پاس ایسے ہیں کہ جن کے افشاء ہونے کے ڈر سے آقائے ابلیس بھی کانپ جائیں۔ (جاری ہے)

### ملک کی سیکولر قوتوں کے ساتھ مل کر

# عام انتخابات میں ہمیں ایک اہم اور فیصلہ کن رول انجام دینا ہے

تحریر: پروفیسر اختر الواسع

**نوٹ**

آئندہ عام انتخابات کے پیش نظر مسلمانوں میں زبردست شش و پنج کی کیفیت ہے وہ سردست یہ فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ کس سیاسی جماعت کے حق میں اپنا ووٹ دیں۔ اس صورت حال میں ہماری کوشش ہے کہ سنجیدہ بحث کے اس کالم میں ایسی باتیں ابھر کر سامنے آئیں جو مسلمانوں کے لئے مشعل راہ نہ سہی کم از کم کسی قسم کی حکمت عملی اختیار کرنے میں ضرور معاون و مددگار ثابت ہوں۔ اہل فکر اور صائب الرائے حضرات کے خیالات و نظریات کو نمایاں انداز میں شائع کیا جائے۔ (ایڈیٹر)

آئندہ عام انتخابات ملک کی تاریخ کے منفرد انتخابات ہوں گے۔ اس وقت کوئی بھی سیاسی جماعت ملک گیر سطح پر عوام کی نمائندہ ہونے کا دعوی پیش کرکے سامنے نہیں آسکتی۔ یوپی، بہار اور مغربی بنگال میں کانگریس کے پاس وہ عوامی حمایت نہیں ہے جو ماضی میں اس کے پاس رہی ہے۔ جنتا دل بہار، کرناٹک اور کسی حد تک اڑیسہ میں، بایاں بازو مغربی بنگال، کیرالا، تری پورا میں، بی جے پی مہاراشٹر، گجرات اور کسی حد تک راجستھان میں اپنی دعویداری بظاہر پیش کرسکتے ہیں۔ مہاراشٹر، گجرات، مدھیہ پردیش، راجستھان اور دہلی میں بی جے پی اور کانگریس کے درمیان انتخابی جنگ ہوگی۔

کوئی دوسری جماعت بظاہر دو چار حلقوں کو چھوڑ کر اپنے وجود کے بارے میں کوئی منصفانہ دعوی نہیں کرسکتی۔ آندھرا پردیش میں صورت حال تاہنوز غیر واضح ہے اور یہی حال تامل ناڈو کا ہے۔

ایسی صورت حال میں مسلمان بھی کوئی ملک گیر انتخابی رویہ اپنانے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ اسی لئے انہیں ہر ریاست میں وہاں کے سیاسی حالات، اپنے مقامی مسائل اور صوبائی سطح پر اپنے اجتماعی مفادات کو پیش نظر رکھ کر کوئی حکمت عملی اپنانی ہوگی۔ پھر ایک بات جو ہمیں اپنے پرجوش سیاسی عزائم کے باوجود نہیں بھولنی چاہئے وہ یہ کہ ہمیں بہرحال معدودے چند حلقوں کو چھوڑ کر کہیں بھی عددی سبقت حاصل نہیں اور اس لئے ہمیں بہرحال سماج کے دوسرے سیکولر اور جمہوری مزاج رکھنے والے طبقات کے ساتھ مل کر ہی کوئی فیصلہ کن رول ادا کرنا ہوگا۔

جہاں تک الیکشن میں رجھانے کے لئے مختلف جماعتوں کے حیلوں، بہانوں خوشنما وعدوں اور دلاسوں کا معاملہ ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمان اب وعدے کے خوشنما جھنجھنوں سے بہلنے والے نہیں، انہیں بھی دودھ کی بوتل چاہئے۔ اگر موجودہ برسر اقتدار طبقے مرکز یا ریاستوں میں ان کے لئے کچھ اسکیموں کا اعلان کرتے ہیں اور ایمانداری سے نفاذ بھی کرتے ہیں تو ان سے ہمیں بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے کیونکہ ہندوستانی شہری ہونے کے ناطے سرکاری اسکیمیں ہمارے اوپر احسان نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کا فرض ہے کہ وہ ہندوستانی سماج کے مختلف طبقات کے لئے فلاحی اور ترقیاتی اسکیمیں چلائیں۔ اگرچہ یہ عمل دیر سے ہی سہی اور انتخابی مصلحتیں ہی چاہے اس کے پیچھے محرک کیوں نہ ہوں ہمیں ان سے فائدہ اٹھانے میں پیچھے نہیں رہنا چاہئے۔ پچھلے ۴۸ سال سے ہم کھونے کے اتنے عادی ہوگئے ہیں کہ ہمیں اب کچھ پاکر بھی بہت خوشی نہیں ہوتی۔ میری رائے میں اس رویے کو بدلنا چاہئے۔



بھارتیہ جنتا پارٹی کو اقتدار سے دور رکھنے کے لئے ہمیں ایک مثبت رویہ اپنانا ہوگا۔ جس میں جوش نہیں بلکہ ہوش سے کام لینا ہوگا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی اپنے جس نرم خو اور خوبصورت چہرے کو بظاہر دکھانے کی کوشش کررہی ہے وہ محض ایک فریب ہے۔ راون کے بھی کئی چہرے تھے اور وہ مختلف مصلحتوں و ضرورتوں کے تحت مختلف چہروں کا استعمال کرتا تھا۔ ہندوستانی سیاست میں بی جے پی آج وہی کر رہی ہے۔ بی جے پی کی مرکز کی طرف پیش قدمی کو روکنا اس لئے ضروری ہے کہ وہ اس ملک کے سیکولرزم، عدلیہ کے احترام، جمہوری اقدار، ثقافتی رنگارنگی اور کثرت میں وحدت کے اصول کو بار بار پامال کرچکی ہے۔ یہاں ایک بات کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ سیکولرزم صرف مسلمان کی نہیں بلکہ ہندوستان کی ضرورت ہے۔ بی جے پی کا موقف پرسنل لاء کے بارے میں ہو یا دفعہ ۳۷۰ کے بارے میں، اردو زبان کے بارے میں ہو یا اس ملک کے بسنے والوں کے دینی اور علاقائی تشخص کے بارے میں ہو، واضح طور پر اس کے خلاف اپنے عزائم کا نہ صرف اعلان کرتی رہی ہے بلکہ بمبئی میں اپنے حالیہ اجلاس میں اس کا دوبارہ اعادہ بھی کردیا ہے۔ جو لوگ اس بارے میں کسی بھی خوش فہمی کا شکار ہیں وہ مہاراشٹر، گجرات، راجستھان، دہلی میں بی جے پی سرکاروں کے ذریعے اس سمت میں اٹھائے گئے عملی اقدامات سے سبق لے سکتے ہیں۔

جہاں تک مسلم قیادت کا سوال ہے وہ ہے کہاں؟ مسلمان آزادی کے بعد سے آج تک آوازیں تو مسلم قیادت کو دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ حمایت دوسری جماعتوں کے غیر مسلم قائدین کی کرتے رہے ہیں۔ آج بھی اترپردیش میں ملائم سنگھ، بہار میں لالو پرشاد یادو، مغربی بنگال میں جیوتی بسو اور مدھیہ پردیش میں دگ وجے سنگھ کی سیاسی شخصیتوں میں ان کا زیادہ اعتماد ہے۔ کیرالا اور کسی حد تک حیدرآباد شہر میں مسلمانوں نے اپنے الگ سیاسی وجود کا کچھ فائدہ اٹھایا ہے لیکن اس کے لئے یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ دونوں جگہوں پر سیاسی و جغرافیائی صورت حال سے انہیں فائدہ پہنچا۔ لیکن اب کیرالا میں نیشنل لیگ اور ناصر مدنی صاحب کی علیحدہ جماعت اور حیدرآباد میں مجلس اتحاد المسلمین میں تقسیم سے ایسا لگتا ہے کہ وہاں بھی انتشار ہی انتشار ہے۔ اس کے علاوہ ملک میں جو لوگ مسلم قیادت کے طور پر جانے اور سمجھے جاتے ہیں ان کی حیثیت انفرادی سے زیادہ نہیں ہے اور ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ جمہوری انتخابات میں چونکہ نمبروں کی لڑائی ہوتی ہے اس لئے کامیابی صرف انہیں کو ملی جو اشتراک و تعاون کے ذریعے اس سیاسی عمل میں شامل ہوئے۔ اس لئے میری ذاتی رائے یہی ہے کہ مسلم قائدین جہاں بھی ہیں ان کو ایک ایسی سیاسی حکمت عملی وضع کرنی چاہئے جس سے کہ ہم الگ تھلگ نہ پڑجائیں اور اس ملک کی سیکولر قوتوں کے ساتھ مل کر ایک اہم اور فیصلہ کن رول انجام دے سکیں۔

مسلم قیادت نے (جیسی بھی ہے اور جہاں بھی ہے) عام طور پر ہمیشہ سیکولر

باقی صفحہ ۱۶ پر

# مسلمان کسی ایک پارٹی کے بندھوا مزدور یا ووٹ بینک نہ بنیں

تحریر: قمر اعظم ہاشمی (مظفر پور)

آزادی کے کم و بیش پچاس برس گزر گئے۔ مسلمان ایک سیاسی پارٹی کے ووٹ بینک بنے رہے تو اس کا حاصل کیا ہوا؟ غربت، جہالت، پسپائی اور محرومی۔ یہ کہا جاتا تھا کہ مسلمان کانگریس کو چھوڑ کر جائیں گے کہاں؟ ان پچاس برسوں میں ریاستی اور قومی سطح پر پچاسوں مسلم وزراء ہوئے۔ کیا ان میں سے کسی ایک کو بھی مسلم مسائل سے دلچسپی لینے کی اجازت دی گئی؟ اگر کبھی کسی نے کچھ ہمت کی تو اس پر "فرقہ پرستی" کا الزام عائد کردیا گیا اقلیتی طبقے میں سے کسی نے اپنے طبقے کے مسائل کی طرف دیکھا تو فوراً اس پر فرقہ پرستی کا الزام لگادیا گیا۔ یعنی اکثریت کی فرقہ پرستی جائز، اقلیت کی ناجائز۔ چنانچہ سیاسی اور سماجی سرگرمیوں میں مصروف افراد یا حضرات کو اس کی توفیق ہی میسر نہیں کہ مسلمان کی سیاسی حیثیت اور پہچان بنانے میں کچھ پیش رفت کرسکیں۔ ہندوستانی مسلمان بے حد خوش ہیں اسی طرح کے بیانات ہمارے وطن کے طول و عرض میں "مسلم لیڈروں" سے صادر ہوتے رہے۔ اگر کہیں، کبھی کسی باشعور شخص یا جمعیت یا تنظیم نے جرات اظہار سے کام لیتے ہوئے یہ کہا کہ فلاں فلاں معاملے میں مسلمانوں کی حق تلفی ہورہی ہے، ناانصافی ہورہی ہے، فلاں فلاں جگہوں میں زیادتیوں کا بازار گرم ہے تو اس کے جواب میں یہ ہدایت دی گئی کہ مسلمان قومی دھارے میں آجائیں، سب ٹھیک ہوجائے گا۔ اگر سوال یہ کیا گیا کہ یہ قومی دھارا ملک کے کس خطے میں رواں ہے تو ہر سیاسی جماعت اپنے وسیع وعریض سیاسی شکم ہی کو اس کا منبع ٹھہراتی رہی تو یہ سوال اب بھی قائم ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی

> اتنی بات تو ہر مسلمان سمجھنے لگا ہے کہ سیاسی پارٹیاں اپنے مفادات کی عینک ہی سے مسلمانوں کو دیکھتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مولانا آزاد کے بعد مسلم قیادت کو پنپنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔

حیثیت بنے گی کیسے؟ انکی پہچان کیسے مقرر ہوگی؟ اتنی بات تو ہر باشعور مسلمان سمجھنے لگا ہے کہ سیاسی پارٹیاں اپنے مفادات کی عینک ہی سے مسلمانوں کو دیکھتی ہیں۔ سچ یہ ہے کہ مرحوم مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے معاصرین کے بعد کے وقفے میں "مسلم لیڈرشپ" کو پنپنے کے مواقع ہی نہیں دیئے گئے۔ بے ضمیری، سیاسی آقاؤں کی خوشامد اور چاپلوسی اور مسلم مسائل سے بے تعلقی جس کے اندر جتنی زیادہ رہی، اسے اتنی ہی اونچی کرسی پر بٹھایا گیا خواہ وہ اس کا اہل ہو یا نہ ہو۔ اقلیتی طبقے کے فلاحی منصوبے بنتے اور مٹتے رہے، رقمیں منظور ہوتی اور سوخت ہوتی رہیں، دوچار دس بیس نوجوانوں کو اگر کسی طرح روزگار فراہم ہوا تو سو دو سو مرتبہ بیانات کے ذریعہ جتلایا گیا۔

یہ بات اہم اور درست ہے کہ مسلمان کسی کے ووٹ بینک نہ بنیں۔ ایک سیاسی پارٹی کے ووٹ بینک بنے رہے تو اس کا عبرتناک حشر سامنے ہے۔ ایک کھونٹے سے الگ ہوکر دوسرے کھونٹے میں بندھنا ہرگز دانائی نہیں ہے۔ ہمارے نوجوان یہ جانتے ہیں کہ مسلمان کسی پارٹی کا بندھوا مزدور نہیں ہے۔ چالیس پینتالیس برسوں کی بندھوا مزدوری کام نہ آسکی تو دوچار برسوں کی بندھوا مزدوری سے کیا توقع۔ وہ ہوشیاری اور سنجیدگی کے ساتھ حالات کے احتساب پر مجبور ہیں۔

اتنی بات تو عام لوگوں کی سمجھ میں بھی آچکی ہے اور یہ سمجھداری جتنی تیزی سے بڑھے گی ہندوستانی مسلمانوں کے فروغ کی راہیں بھی اتنی ہی تیزی سے ہموار ہوتی جائیں گی اور ان کی پہچان بھی بنتی جائے گی۔ دیر آید درست آید۔

# عام انتخابات میں کدھر جارہا ہے مس

## مختلف شہروں میں ملی ٹائمز کی رائے شماری ۔ دلچسپ انکشافات

آئندہ پارلیمانی انتخابات اب صرف چند ماہ دور ہیں۔ فطری طور پر ساری ہی اہم پارٹیاں اپنی اپنی انتخابی حکمت عملی ترتیب دینے میں مصروف ہیں۔ سماج کے مختلف طبقوں کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے لئے مختلف سطح پر کوششیں بھی ہورہی ہیں۔ جیسا کہ ہر انتخابی عمل کے موقع پر ہوتا ہے۔ پورا ہندوستان یہ جاننے کے لئے بے چین ہے کہ مسلمان کس پارٹی کو ووٹ دیں گے۔ اگرچہ بعض لوگ مسلمانوں کے ووٹ کی اہمیت ضرورت سے زیادہ بڑھاچڑھاکر بتاتے ہیں لیکن بارہ فیصد مسلمانوں کی انتخابی اہمیت بہرحال ہے۔ عام تصور یہ ہے کہ مسلمان یک مشت کسی ایک ہی پارٹی کو ووٹ دیتے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ مسلمانوں کے بارے میں یہ تصور غلط ہے یا صحیح، یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ مسلمانوں کے ووٹ کی اہمیت اسی عام تصور کی وجہ سے ہر انتخاب میں بہت زیادہ ہوجاتی ہے۔ اور نتیجہ کے طور پر سیاسی مبصرین، صحافی، دانشور اور انتخابی پنڈت مسلمانوں کا رجحان اور موڈ جاننے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ ملی ٹائمز نے اس بار طے کیا کہ وہ دوسروں کے سروے پر اعتماد کرنے کے بجائے خود اپنے طور پر جائزہ لے کہ مسلمانوں کا رجحان کس طرف ہے۔ کسی بھی سروے میں سوالات کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ مسلمانوں سے متعلق جو سروے ہوتے ہیں ان میں بالعموم سوالات ایسے پوچھے جاتے ہیں جن سے ان کے جذبات کی صحیح تصویر معلوم کرنا ہمیشہ مشکل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملی ٹائمز نے کوشش کی کہ ایسے سوالات مسلمانوں کے سامنے رکھے جائیں جن کے جوابات سے ان کے صحیح جذبات اور میلانات کا پتہ لگ سکے۔

ملی ٹائمز نے یہ سروے ملک کے گیارہ شہروں میں اپنے خصوصی نمائندوں اور بعض مسلم تنظیموں کے تعاون سے کیا ہے۔ اس امر کی کوشش کی گئی کہ مسلم سماج کے ہر طبقے کے لوگوں کی مناسب تعداد سے مل کر سوالنامے پر کرائے جائیں۔ جن لوگوں سے سوالنامے پر کرائے گئے یا جن سے مختلف سوالات کے جوابات انٹرویو کی شکل میں حاصل کئے گئے، کمپیوٹر کی مدد سے ان سے جو نتائج برآمد ہوئے وہ کئی اعتبار سے کافی تعجب خیز ہیں۔

لیکن ان نتائج کو قارئین کے سامنے رکھنے سے پہلے ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے شائع شدہ اعداد و شمار سے چند چیزیں قارئین کے سامنے رکھنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو عام شکایت ہے کہ حکومت نے انتخابی حلقوں کی جغرافیائی حدود کچھ اس انداز سے متعین کی ہیں کہ اس سے ان کے ووٹوں کی اہمیت کم ہوگئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود پورے ملک سے کم از کم ۴۶ انتخابی حلقے ایسے ہیں جہاں مسلم ووٹ ۲۵ فیصد یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ ۳۵ حلقے ایسے ہیں جہاں مسلم ووٹ ۳۰ فیصد سے زیادہ ہے۔ اسی طرح بیس سے زائد حلقوں میں وہ ۲۰ فیصد یا اس سے زیادہ ہیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو کم از کم ۱۲۵ کے قریب ایسے انتخابی حلقے ہیں جہاں مسلم ووٹر خاطر خواہ تعداد میں پائے جاتے ہیں اور دو یا تین پارٹیوں کے درمیان سخت مقابلوں کی صورت میں مسلم ووٹ، اگر وہ غیر منقسم صورت میں پڑتا ہے تو فیصلہ کن ہوسکتا ہے۔ مسلم ووٹ کی اسی اہمیت کی وجہ سے کانگریس اور نیشنل فرنٹ کے علاوہ اس بار بی جے پی بھی اس کوشش میں ہے کہ اپنے طور پر کچھ مسلم ووٹ حاصل کرنے کے ساتھ اسے تقسیم بھی کردے۔ کانگریس نے ان ریاستوں میں جہاں بی جے پی اور کانگریس کے علاوہ دوسری پارٹیاں غیر اہم ہیں، مثلاً گجرات، ایم پی، راجستھان، مہاراشٹر وغیرہ۔ وہاں کے ان حلقوں پر خصوصی توجہ دینے کا فیصلہ کیا ہے جہاں مسلم ووٹ خاطر خواہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ واضح طور پر کانگریس اس کوشش میں ہے کہ کم از کم مسلمانوں کو ان جگہوں پر ووٹ دینے پر راغب کیا جائے جہاں بی جے پی کا کوئی اور متبادل نہیں ہے۔ لیکن ملی ٹائمز کے سروے سے جو نتیجہ سامنے آیا ہے وہ نہ صرف کانگریس کے لئے بلکہ دوسری سیاسی جماعتوں کے لئے کوئی خاص خوش کن نہیں ہے۔

ملی ٹائمز سروے ٹیم نے ملک بھر کے ۱۱ شہروں میں مجموعی طور سے ۲،۱۳ مسلمانوں سے یا تو اپنا سوالنامہ پر کرایا یا سوالنامے میں درج سوالات کے جوابات زبانی طور سے معلوم کئے۔ کوشش کی گئی کہ مسلم سماج کے ہر طبقے کے لوگوں کی نمائندگی ہوسکے یعنی امیر، غریب، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ وغیرہ۔ جن شہروں میں سروے کیا گیا ان کے نام درج ذیل ہیں۔ دہلی، بمبئی، کلکتہ، مدراس، حیدر آباد، احمد آباد، بھوپال، کالی کٹ، پٹنہ، لکھنؤ اور کانپور۔

ملی ٹائمز نے مذکورہ شہروں کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے سامنے حسب ذیل سوالات کئے۔

۱۔ کون پارٹی مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے ضمن میں سب سے زیادہ سنجیدہ ہے؟

۲۔ کون پارٹی بابری مسجد دوبارہ تعمیر کراسکتی ہے؟

۳۔ مسلمانوں کا مستقبل کس پارٹی کے ہاتھوں میں محفوظ ہے؟

۴۔ کس پارٹی کو ووٹ دیں گے؟

ان سارے سوالات کے جوابات باکس میں دئے گئے ہیں۔ ذیل میں ہم حاصل شدہ جوابات یا اعداد و شمار کا تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

پہلے سوال کے جواب میں مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان کسی بھی سیاسی جماعت پر ۱۰۰ فیصد اعتماد نہیں کرتے۔ بہت بڑی اکثریت یعنی ۷۱ فیصد قومی پارٹیوں میں سے کسی کو بھی اپنے حقوق کا محافظ یا اپنے مفادات کے تحفظ کے ضمن میں سنجیدہ نہیں پاتے۔ اسی طرح ۶۹ فیصد مسلمان بابری مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں یہ سوچتے ہیں کہ کوئی بھی پارٹی اس کی دوبارہ تعمیر نہیں کرائے گی۔ اسی طرح ووٹ دینے کے معاملے میں بھی مسلمان

سوال۔ کونسی پارٹی مسلمانوں کے تحفظ کے ضمن میں سب سے زیادہ سنجیدہ ہے؟

| | |
|---|---|
| کانگریس | ۷ فیصد |
| بی جے پی | ۳ فیصد |
| نیشنل فرنٹ لیفٹ فرنٹ | ۱۶ فیصد |
| شیوسینا | ۲ فیصد |
| کوئی نہیں | ۷۱ فیصد |
| دیگر | ۱ فیصد |

سوال۔ کونسی پارٹی بابری مسجد دوبارہ تعمیر کراسکتی ہے؟

| | |
|---|---|
| کانگریس | ۹ فیصد |
| بی جے پی | ۲ فیصد |
| نیشنل فرنٹ لیفٹ فرنٹ | ۱۲ فیصد |
| شیوسینا | ۱ فیصد |
| کوئی نہیں | ۶۹ فیصد |
| دیگر | ۷ فیصد |

سوال۔ مسلمانوں کا مستقبل کس پارٹی کے ہاتھوں میں محفوظ ہے؟

| | |
|---|---|
| کانگریس | ۱۳ فیصد |
| بی جے پی | ۷ فیصد |
| نیشنل فرنٹ لیفٹ فرنٹ | ۱۷ فیصد |
| شیوسینا | ۱ فیصد |
| کوئی نہیں | ۲۸ فیصد |
| دیگر | ۱۱ فیصد |
| کہہ نہیں سکتے | ۲۳ فیصد |

سوال۔ کس پارٹی کو ووٹ دیں گے؟

| | |
|---|---|
| کانگریس | ۱۶ فیصد |
| بی جے پی | ۴ فیصد |
| نیشنل فرنٹ لیفٹ فرنٹ | ۱۷ فیصد |
| شیوسینا | ۱ فیصد |
| کسی کو نہیں | ۲۸ فیصد |
| دیگر | ۱۱ فیصد |



### انسانی حقوق کے موضوع پر ایک سیمنار

مدراس کی انسانی حقوق اور سماجی بہبود کی تنظیم "انڈین پیس کیپرس" کی جانب سے انسانی حقوق کے تحفظ کے موضوع پر ۱۰ دسمبر ۱۹۹۵ کو مدراس میں ایک کل ہند کانفرنس کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ جس میں پرنس آف آرکاٹ جناب محمد عبد العلی، انگریزی رسالہ "فرنٹ لائن" کے ایڈیٹر این۔ رام، ڈاکٹر منظور عالم اور انگریزی رسالہ "دلت وائس" کے ایڈیٹر وی۔ ٹی۔ راج شیکھر سمیت بے شمار شخصیات شرکت فرمارہی ہیں۔ کانفرنس اور سیمنار کی تیاری زوروں پر ہے۔ اس کے اخراجات کے لئے خاصی بڑی رقم درکار ہے۔ عام لوگوں سے اس کانفرنس و سیمنار میں شرکت کی اور اہل خیر حضرات سے شرکت کے ساتھ ساتھ مالی تعاون کی بھی درخواست ہے۔ مخیر حضرات تنظیم کی جانب سے شائع ہونے والے سوینیر کے لئے اشتہار بھی ارسال فرماسکتے ہیں۔

حاجی ایس ایم پاشا
چیرمین سیمنار استقبالیہ کمیٹی
"بیت الامن" ۲۲ بیرکس روڈ
پیریامیٹ، مدراس ۶۰۰۰۳۰

اس شمارے کی قیمت پانچ روپے
سالانہ چندہ ایک سو روپے/چالیس امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
**مسلم میڈیا ٹرسٹ**
پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپواکر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
49، ابوالفضل انکلیو
جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025 سے شائع کیا
فون نمبر 6827018 ۔۔ 6926030
سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز ساڑھے پانچ روپے

## م ووٹ

بھاری اکثریت کے ساتھ کسی ایک پارٹی کو دوسری تمام جماعتوں پر ترجیح نہیں دے رہے ہیں بلکہ کسی کو ووٹ نہ دینے والوں اور ابھی تک فیصلہ نہ کرنے والوں کی مجموعی تعداد ۵۱ فیصد ہے۔ اسی طرح ۵۲ فیصد مسلمان موجودہ سیاسی جماعتوں میں سے کسی کو بھی اپنے مستقبل کا محافظ نہیں سمجھتے۔ دیکھا جائے تو مسلمانوں کی اکثریت موجودہ سیاسی جماعتوں سے بحیثیت مجموعی بیزار ہے اور کسی ایک کو اپنے حق میں سو فیصد بہتر نہیں سمجھتی۔

بلاشبہ نیشنل فرنٹ دوسری پارٹیوں کی بہ نسبت مسلمانوں میں زیادہ مقبول ہے۔ لیکن یہ عام تصور کہ مسلمان بحیثیت مجموعی نیشنل فرنٹ کے طرفدار ہیں، بالکل غلط ثابت ہوا ہے۔ صرف ۱۶ فیصد مسلمان سوچتے ہیں کہ فرنٹ مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے معاملے میں سنجیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۷۱ فیصد مسلمان فرنٹ کو ووٹ دینے کے بارے میں سنجیدہ ہیں۔ کانگریس کو بھی ۱۶ فیصد مسلمان ووٹ دیں گے۔ لیکن کسی کو ووٹ نہ دینے والوں یا ابھی تک فیصلہ نہ کرنے والوں میں سے، جن کی تعداد ۵۱ فیصد ہے، شاید اکثریت نیشنل فرنٹ کو کانگریس پر ترجیح دے کیونکہ فرنٹ کا ریکارڈ کانگریس کے مقابلے میں بہتر ہے۔

سروے کے دوران یہ بات بھی کھل کر سامنے آئی کہ بحیثیت مجموعی مسلمان موجودہ سیاسی پارٹیوں کے بارے میں بالکل بھی پرجوش نہیں ہیں۔ بابری مسجد کے تعلق سے اکثر مسلمان جذباتی ضرور نظر آئے اور اکثر نے کانگریس کے بارے میں غصے اور نفرت کے اظہار کے ساتھ اسے سبق سکھانے کی بھی بات کی۔ اکثر یہ بھی دیکھنے کو ملا کہ بی جے پی اور شیوسینا کے حق میں بات کرنے والے مسلمان وہ تھے جو کانگریس سے کافی خفا تھے۔ ان سب کے برعکس نیشنل فرنٹ کے مختلف لیڈروں کی باہمی لڑائی اور اندرونی کشمکش اکثر مسلمانوں کے لئے تکلیف اور مایوسی کا باعث تھی۔

لیکن ان سب کے باوجود یہ بات اپنی جگہ بڑی اہم ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنے مفادات و مسائل کے تعلق سے موجودہ تمام ہی سیاسی پرٹیوں سے اعتماد کھوتی جارہی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ظاہر ہے۔ مسلمانوں کا یہ احساس ہے کہ تجربے نے انہیں یہ بتا دیا ہے کہ تقریبا تمام ہی پارٹیاں مسلمانوں کی بہتری کے بارے میں کوئی سنجیدہ کام کرنے کے بجائے محض ان کے ووٹ کی خاطر زبانی جمع خرچ اور سنہرے وعدے کرتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ تلخ تجربات نے مسلم اکثریت کو تقریبا ہر سیاسی پارٹی سے مایوس کردیا ہے۔ ●

## نرسمہا راؤ سے کانشی، ملائم اور اڈوانی تک

# مسلم ووٹ کے سب دیوانے



نرسمہا راؤ علماء کے ایک وفد سے محو گفتگو۔ اوپر ملائم، کانشی اور آڈوانی

پارلیمانی انتخابات جوں جوں قریب آرہے ہیں سیاسی پارٹیوں کی ہلچل بڑھتی جارہی ہے۔ کانگریس، بی جے پی، جنتا دل، سماجوادی پارٹی اور بی ایس پی کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ان تمام پارٹیوں کی سرگرمیوں اور انتخابی حکمت عملی کا مشترک پہلو یہ ہے کہ وہ سبھی مسلم ووٹوں کے دیوانے ہیں اور مسلم ووٹوں کی حصولیابی کے لئے تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ ساری پارٹیاں یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ مسلم ووٹوں کی اصل حقدار وہی ہیں اور اگر مسلمانوں نے ان کے بجائے کسی اور پارٹی کے حق میں اپنا ووٹ دیا تو وہ ووٹ بیکار چلا جائے گا یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آئندہ مسلمانوں کو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے۔

مسلم ووٹوں کو راغب کرنے کا کام سب سے زیادہ کانگریس کر رہی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نرسمہا راؤ اس کام کو جنگی پیمانے پر کر رہے ہیں تو شاید بیجا نہ ہوگا۔ انہوں نے ایک نہیں کئی وزراء کو اس محاذ پر لگا رکھا ہے۔ ایک کمیٹی تشکیل دے رکھی ہے۔ ایک وزیر کو اس کام کا انچارج بنا رکھا ہے اور خود "مسلم نمائندوں" سے مل کر مسلمانوں کی خیریت دریافت کرنے کا نیک کام انجام دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

**اس کا ادراک ہوجانے پر کہ مسلمان گرچہ اس ملک کی اقلیت ہیں لیکن انتخابات کے موقع** پر ان کی پوزیشن انتہائی فیصلہ کن ہوجاتی ہے اور اقتدار کی کنجی ان کے ہاتھوں میں آجاتی ہے وہ جس کو چاہتے ہیں مسند اقتدار پر متمکن کردیتے ہیں اور جسے نہیں چاہتے اس کی ضمانت تک ضبط ہوجاتی ہے، سیاسی پارٹیوں نے مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے خصوصی سیل کی تشکیل کردی ہے۔ کانگریس کے ساتھ ساتھ بی جے پی بھی اس کام کو ہنگامی سطح پر کر رہی ہے۔ بی جے پی میں جن دو مسلم وزراء کو شو بوائے کی حیثیت حاصل ہے ان میں سے ایک یعنی عارف بیگ کو اس معاملے کا انچارج بنایا گیا ہے۔ عارف بیگ کی پوزیشن کو مستحکم بنانے اور ان کی مقبولیت میں اضافہ کا ثبوت دینے کے لئے پارٹی میں ان کے عہدے میں ترقی دے دی گئی ہے۔

عارف بیگ اس مہم پر تن من دھن سے کام کر رہے ہیں وہ بی جے پی کے دفتر میں باجماعت نماز کا بھی اہتمام کرواتے ہیں اور یہ جتاتے بھی ہیں کہ میں پنج وقتہ نمازی ہوں، اپنی تقریروں میں مسلمانوں کو نماز کی تلقین بھی کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی بابری مسجد سے یہ کیسی محبت اور عقیدت ہے کہ وہ مسجد کے لئے جان دینے پر آمادہ ہیں لیکن نماز کے سلسلے میں مخلص نہیں ہیں۔

عارف بیگ صاحب اس بات کو سمجھتے ہیں کہ عام مسلمانوں میں شیروانی اور علیگڑھ کٹ پائجامہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس لئے انہوں نے اس کے استحصال کی پلاننگ کی ہے۔ ان کی ہدایت پر بی جے پی کی جانب سے پانچ سو شیروانیاں سلوائی جارہی ہیں جو عام انتخابات میں کام آئیں گی۔ پلاننگ یہ ہے کہ پانچ سو مسلمانوں کو شیروانی اور علی گڑھ کٹ پائجامہ میں ملبوس کرکے بی جے پی کے اسٹیجوں پر آر ایس ایس کے ورکرس کے ساتھ بٹھایا جائے گا۔ یہ لوگ بی جے پی کے حق میں ملک گیر سطح پر پرچار کریں گے اور مسلمانوں میں علی گڑھ کی امیج کو کیش کرانے کی کوشش کریں گے۔ کوئی ضروری **نہیں ہے کہ شیروانی پوش تمام افراد مسلمان ہی ہوں ایسے غیر مسلموں کو بھی شیروانی میں ملبوس کیا جائے گا جو بظاہر مسلمان نظر آتے ہوں اور اچھی اردو بول سکتے ہوں۔**

بی جے پی نے جو دوسرا حربہ اپنایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسے معاملات کو انتخابی تقریروں میں نہیں اٹھائے گی جو حساس ہوں اور جن سے فرقہ وارانہ عصبیت میں اضافہ کا خدشہ ہو۔ اس لئے بی جے پی نے اجودھیا، کاشی اور متھرا کو سردست اپنے انتخابی ایجنڈے سے خارج کردیا ہے۔ اس نے یہ ذمہ داری وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کو سونپ دی ہے۔ پریشد اور دل کو یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ وہ ان اسٹیجوں پر جلوہ افروز نہ ہوں جن سے شیروانی پوش خطاب کر رہے ہوں یا مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلم مخالف تقریروں سے گریز کریں۔ لیکن ہندو اکثریتی علاقوں میں مسلم دشمنی کا زہر ہر ممکن طریقے سے پھیلائیں تاکہ فرقہ وارانہ عصبیت پھیلاکر ہندوؤں کا زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کیا جاسکے۔

جہاں تک کانگریس کا معاملہ ہے تو نرسمہا راؤ نے علماء کے ایک طبقے کو کافی قریب کرلیا ہے اور وہ ایسے علماء سے بھی ملنے سے گریز نہیں کرتے جن کو نہ تو کوئی جانتا ہے اور نہ ہی مسلمانوں میں جن کی کوئی اہمیت و وقعت اور عزت و وقار ہے البتہ اس ملاقات کی تشہیر زبردست پیمانے پر کی جاتی ہے تاکہ عام مسلمانوں کو یہ باور کرایا جاسکے کہ جب علماء کو راؤ سے کوئی پرہیز نہیں ہے تو مسلمانوں کو کیوں ہو؟ اس سلسلے میں تشہیر کا یہ انداز بھی ہوتا ہے کہ فلاں دن بریلوی مکتبہ فکر کے علماء نے راؤ سے ملاقات کی تو فلاں دن دیوبندی حلقے کے علماء نے نیاز حاصل کیا۔ اور دربار میں حاضری دی۔ راؤ ان کی باتیں سنجیدگی سے سنیں اور ان کے مسائل کو حل کرنے کی یقین دہانی کرائی۔

جہاں تک ایس پی، بی ایس پی اور جنتا دل کا تعلق ہے تو تینوں جماعتیں یہ سوچے بیٹھی ہیں کہ مسلمان تو ان کے ووٹ بینک ہی ہیں وہ کانگریس اور بی جے پی کے قریب نہیں جائیں گے لہذا ہماری چھتر چھایہ میں آنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ●

بقیہ : لالو ملائم اتحاد

سیٹوں میں سے سماجوادی نے صرف دو سیٹ جیتی ہے۔ نگر پالیکا پریشد میں چار میں سے ایک بھی سیٹ ایس پی کو نہیں ملی۔ یہی حال بی ایس پی کا ہے۔ بجنور مایاوتی کا گڑھ ہے وہاں بی ایس پی کو ایک بھی سیٹ نہیں ملی۔ بلند شہر بھی بی جے پی کا مرکز ہے لیکن وہاں ۹ نگر پالیکا پریشد میں سے اسے ایک سیٹ ملی ہے۔ اسے نگر پنچایت کے ۱۳ حلقوں میں سے ایک پر کامیابی ملی ہے۔ اسی طرح وی پی سنگھ کے فتح پور اور الہ آباد میں جنتا دل کو ایک بھی سیٹ نہیں ملی۔ کلیان سنگھ کے علی گڑھ میں بی جے پی کا زور ٹوٹا ہے اور سماجوادی نے نقب زنی کی ہے۔ الہ آباد کی میئر شپ بی جے پی کے ہاتھ میں تھی لیکن وہاں کانگریس سے نکلی بھوگنا کی بیٹی آزاد امیدوار کی حیثیت سے کامیاب ہوئیں جبکہ الہ آباد مرلی منوہر جوشی اور بی جے پی کے دوسرے لیڈر کیسری ناتھ ترپاٹھی کے مضبوط قلعے ہیں۔

اس طرح بلدیاتی انتخابات نے جہاں بی جے پی کے حوصلے کو بلند کیا ہے وہیں اس کے کچھ لیڈروں کی عوامی بنیاد کو کمزور بھی کیا ہے۔ اور ان انتخابات کے نتائج کی بنیاد پر یہ فیصلہ صادر نہیں کیا جاسکتا کہ پارلیمانی انتخابات میں بھی بی جے پی اسی طرح کامیابی کے جھنڈے گاڑتے ہوئے جائے گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پارلیمانی انتخابات کی نوعیت دوسری ہوتی ہے اور بلدیاتی انتخابات کی دوسری۔ دونوں کو ایک دوسرے سے جوڑ کر بی جے پی کی کامیابی کا دعوی کرنا حماقت سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

دریں اثناء پارلیمانی انتخابات میں بی جے پی کی ناک میں نکیل ڈالنے کے لئے ملائم سنگھ اور لالو یادو میں اتحاد ہوگیا ہے۔ گذشتہ دنوں دہلی میں سماجوادی پارٹی اور جنتا دل کے رہنماؤں کی ایک میٹنگ ہوئی تھی جس میں آئندہ عام انتخابات کے پیش نظر دونوں جماعتوں میں اتحاد کے لئے نشستوں پر غور و خوض ہوا۔ میٹنگ کے بعد لالو یادو نے بتایا کہ اب ہم اور ملائم سنگھ نہ صرف اترپردیش سے بلکہ پورے ملک سے بی جے پی کا صفایا کردیں گے۔ ہمارا اتحاد تیسری طاقت نہیں بلکہ پہلی طاقت بنے گا اور ہم بی جے پی کی قبر کھود دیں گے۔

واضح ہو کہ لالو اور ملائم سنگھ کے تعلقات کافی دنوں سے ناخوشگوار تھے اور دونوں ایک دوسرے سے ملنے کے روادار نہیں تھے لیکن بی جے پی کی ناک میں نکیل ڈالنے کے لئے دونوں رہنماؤں نے آپسی عناد کو طاق پر رکھتے ہوئے تجدید دوستی کی رسم انجام دی۔ دونوں کا ملاپ بلاشبہ سیکولر طاقتوں کے لئے نیک شگون ہے اور اگر دونوں اسی طرح اتحاد پر جمے رہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یوپی کے ساتھ ساتھ دوسری ریاستوں میں بھی بی جے پی کے بڑھتے قدم رک جائیں گے اور بلدیاتی انتخابات میں حاصل ہونے والی کامیابی کا خمار نہ صرف اتر جائے گا بلکہ ان کے حواس باختہ ہوجائیں گے اور دہلی پر حکومت کا ان کا خواب چکنا چور ہوجائے گا۔


فوری اثر کرنے والی
۱۸ سے ۸۰ عمر کے لوگوں کیلئے
پیٹ اور معدہ کی بیماریوں مفید
دوا
اکسیر اعظم ڈراپ

# شہزادی ڈائنا کا برسرِ عام اعترافِ گناہ

## چارلس اور ڈائنا کی جنسی بے راہ روی نے برطانوی سماج کے مکروہ چہرے کو بے نقاب کر دیا ہے

ایک سال قبل برطانیہ کے عشق باز شہزادے اور ولی عہد چارلس نے بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے برملا اعتراف کیا تھا کہ وہ شہزادی ڈائنا سے منسوب ہونے کے باوجود اپنی سابقہ ( بلکہ موجودہ بھی ) محبوبہ کیمیلا پارکر باولس کے ساتھ جنسی تعلق رکھتے تھے۔ ٹھیک ایک سال بعد شہزادی ڈائنا نے بھی اب یہ اعتراف کرلیا ہے کہ ان کے بھی میجر جیمس ہیوٹ سے ناجائز تعلقات رہے ہیں۔ لیڈی ڈائنا نے یہ انکشاف بی بی سی کے ساتھ ایک انٹرویو میں کیا۔

> ڈائنا نے اعتراف گناہ کے ساتھ ساتھ چارلس کی ولی عہدی پر بھی سوالیہ نشان لگانے کی کوشش کی ہے انہیں شکایت ہے کہ شاہی خاندان نے ان کے آڑے وقت میں ان کا ساتھ دینے کے بجائے انھیں تنگ کیا جس کی وجہ سے بار بار انھوں نے خودکشی کا ارادہ کیا۔

ڈیڑھ دہائی قبل چارلس اور ڈائنا کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ اس تقریب میں دنیا بھر کے سو سے زائد سربراہان حکومت نے شرکت کی تھی۔ اس شادی سے قبل چارلس ایک رنگین مزاج اور عشق باز شہزادے کے طور پر جانے جاتے تھے۔ کئی خواتین سے ان کی محبت کے چرچے عام تھے اور ان میں سے کئی ایک کے ساتھ وہ شادی کے بھی خواہشمند تھے۔ مگر کیمیلا سمیت ایسی تمام عورتوں نے چارلس سے شادی کرنے سے انکار کردیا تھا کیونکہ وہ شاہی محل کی گھٹن بھری فضا سے گھبراتی تھیں۔

تلاش بسیار کے بعد چارلس، بظاہر اپنے والد کے دباؤ کے تحت، ڈائنا سے شادی پر راضی ہوگئے۔ اپنے ایک سوانح نگار سے چارلس نے حال ہی میں یہ کہا تھا کہ انہیں ڈائنا سے کبھی بھی محبت نہیں رہی کیونکہ یہ شادی ان کے والد نے ان پر تھوپ دی تھی۔ پھر بھی شادی سے قبل ڈائنا کی دوشیزگی کا ٹسٹ ہوا تھا جس پر حقوق نسواں کی علمبردار خواتین نے احتجاج کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ کب کا بڑا نیک اور پاکباز انسان تھا۔

بظاہر شادی کے بعد چارلس اور ڈائنا دونوں ہی خوش و خرم رہنے لگے۔ ان کے دو اولادیں ہوئیں۔ لیکن ۵ یا ۶ سال قبل ان کے درمیان اختلافات کی خبریں پریس میں شائع ہونے لگیں۔ میڈیا چارلس پر الزام لگانے لگا کہ وہ شہزادی کا وفادار نہیں ہے اور اس کے کیمیلا سے ناجائز تعلقات ہیں۔ اس کے بعد برطانوی اخبارات نے ڈائنا پر بھی میجر ہیوٹ سے ناجائز جنسی تعلق رکھنے کا الزام لگایا جس کی تصدیق شہزادی نے اپنے حالیہ انٹرویو میں کردی ہے۔

ایک دوسرے سے بے وفائی کے نتیجہ میں چارلس اور ڈائنا ایک دوسرے سے ۱۹۹۲ء میں علیحدہ ہوگئے۔ بظاہر ان کے درمیان طلاق واقع نہیں ہوئی ہے لیکن دونوں ہی ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لئے جس طرح اخبارات کے ذریعہ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھال رہے ہیں اس سے برطانیہ کا سنجیدہ طبقہ پریشان ہے۔ اب بھی اس ملک میں بے شمار لوگ شاہی خاندان سے بے پایاں محبت کرتے اور اس ادارے کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ شاہی خاندان کو ایک مثالی خاندان کے طور پر بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن چارلس اور ڈائنا دونوں نے ان کی تمناؤں پر پانی پھیر دیا ہے۔



برطانیہ کے شہزادے اینڈریو اور ان کی بیگم سارا فرگسن کے درمیان بھی علیحدگی ہوچکی ہے کیونکہ آخرالذکر کے غیر مرد سے ناجائز تعلقات تھے۔ کم از کم اس معاملے میں شہزادہ اینڈریو جو فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں، کسی دوسری عورت سے ناجائز جنسی تعلق رکھنے کے مجرم نہیں ہیں۔

ڈائنا نے اپنے حالیہ انٹرویو میں زناکاری کے اعتراف کے ساتھ چارلس کی ولیعہدی پر سوالیہ نشان لگانے کی بھی کوشش کی ہے۔ انہیں شکایت ہے کہ شاہی خاندان نے ان کے آڑے وقت ان کی مدد نہیں کی، بلکہ ہر طریقے سے انہیں تنگ کیا گیا جس کی وجہ سے بار بار انہوں نے خودکشی کا ارادہ بھی کیا۔ وہ چارلس سے طلاق نہیں چاہتیں تاکہ اپنے بچوں سے قریب رہ سکیں۔ لیکن وہ چارلس کو بادشاہ بنتے بھی دیکھنا نہیں چاہتیں۔ چارلس کے حامیوں نے اس کے بعد انہیں "پاگل" اور غیر متوازن قرار دینے کی مہم چلا رکھی ہے۔

برطانوی سماج بظاہر ڈائنا سے ہمدردی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر شاہی خاندان اور سیاسی طبقہ اس دھماکہ خیز معاملے کو دبانے میں مصروف ہیں۔ برطانوی وزیراعظم ڈائنا کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے انہیں ہمہ آن سفر پر رہنے والا "سفیر" بنانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ شاہی خاندان بھی کچھ ایسا ہی چاہتا ہے تاکہ شہزادی کا منہ بند رہے اور اس طرح شاہی محل کے "کوڑے کرکٹ" وہیں اندر پڑے رہیں۔ لیکن برطانوی وزارت خارجہ جان میجر کے اقدام کی مخالفت پر کمربستہ ہے۔ بظاہر ڈائنا کے انٹرویو سے پیدا ہونے والا ہیجان ابھی ختم نہیں ہوا۔ ممکن ہے شہزادہ چارلس جواباً کچھ عرض کرکے اس ہیجان میں مزید اضافہ کریں۔

یہ بات بھی کھل کر سامنے آئی ہے کہ برطانوی سماج جو معاشی اعتبار سے بعض مسائل کے باوجود اب بھی خوشحال ہے، اخلاقی زوال کی انتہا کو پہنچ چکا ہے جہاں شوہر و بیوی ایک دوسرے سے بے وفائی کا کھلم کھلا اعتراف کرتے ہیں اور عوام اس پر چیں بہ جبیں ہونے کے بجائے اسے نمکین کہانی کی طرح چٹخارے لے لے کر پڑھتے ہیں۔

### بقیہ : بوسنیا

ہیں۔ لیکن ان مسلمانوں کو اس ضمن میں انصاف کی بہت زیادہ امید نہیں رکھنی چاہئے۔ کیونکہ ان میں سے شاید ہی اب کوئی ان شہروں یا گاؤں میں جانا پسند کرے جہاں اب سربوں کا کنٹرول ہوگا اور جہاں ان پر انسانیت سوز مظالم توڑے گئے تھے۔ رہی بات معاوضے کی تو اس کی بھی کم ہی امید ہے۔ سرب اور کروٹ دونوں ہی کہیں گے کہ وہ مالی دیوالئے پن کا شکار ہیں اس لئے کسی کو معاوضہ نہیں دے سکتے۔

مسلمانوں اور کروٹوں کی فیڈریشن بھی چلتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ دراصل کروٹوں نے بھی مسلمانوں پر مظالم ڈھائے ہیں اور ہزاروں کو ان کی زمینوں، شہروں اور مکانات سے بے دخل کرکے ان پر قبضہ کرلیا ہے۔ ان کے درمیان قدر مشترک صرف سربوں کی "نفرت" ہے۔ محض اس ایک قدر مشترک کی بنیاد پر وہ کب تک متحد رہ سکیں گے یہ کہنا بہت مشکل ہے۔

ڈیٹن معاہدے پر دستخط اسی وقت ہوں گے جب تینوں فریق اسے تسلیم کرلیں گے اور اس کی تنفیذ کے لئے تحریری وعدہ کریں گے۔ امریکی خاص طور سے سربوں سے یہ تحریری معاہدہ چاہتے ہیں کیونکہ سرب غلط طور پر یہ سوچ رہے ہیں کہ واشنگٹن نے ان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔

اس معاہدے کو نافذ کرنے کے لئے ساٹھ ہزار ناٹو اور دوسرے ممالک کی فوجیں بوسنیا میں متعین کی جائیں گی جس میں بیس ہزار امریکی شامل ہیں۔ ابھی صدر کلنٹن کو اس کے لئے کانگریس کی اجازت لینی ہے جو امید ہے انہیں حاصل ہوجائے گی۔ روس کو تین ہزار فوجیں بھیجنی تھیں مگر اس نے صرف دو ہزار کا وعدہ کیا ہے۔ برطانیہ بارہ ہزار، فرانس دس ہزار، پاکستان، اسپین، کناڈا، اٹلی چار چار ہزار فوجیں بھیجیں گے۔ پہلی بار جرمنی بھی پانچ ہزار امن فوجی ارسال کرے گا۔ ملیشیا ایک ہزار، چیکو سلواکیہ اور سلووینیا ایک ہزار اور بلجیم اور ہالینڈ چار ہزار فوجی اس معاہدے کی تنفیذ کی نگرانی کے لئے بوسنیا بھیجیں گے۔ لیکن بوسنیا کے اندر اور باہر ہر جگہ یہ خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ اس معاہدے کی تنفید اب بھی بہت دشوار ثابت ہوگی۔ فوجی مزاحمت کے ساتھ سیاسی مخالفت کے لئے بھی ابھی ہر فریق کے پاس کافی اسباب موجود ہیں۔

### بقیہ : نرسمہا راؤ اور مزار

درگاہ میں حاضری دی اور ان کے پیغام کو پڑھ کر سنایا۔ کانگریس کے لئے انتخابات کی گرمی عرصہ محشر کی گرمی سے کم نہیں ہے لیکن اس کے دفتر میں کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس کو پیش کرکے وہ مسلمانوں سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ سکے اور مسلمان اسے معاف کرکے دوبارہ برسر اقتدار لاسکیں۔ لے دے کر گل پوشی و چادر پوشی کا سلسلہ باقی رہ جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں بھی انہیں کوئی خاص کامیابی نہیں ملی ہے۔ ابھی اس واقعہ کو ہوئے بہت زیادہ دن نہیں ہوئے جب بریلی میں چادر پوشی کے لئے ان کی آمد پر لاحول پڑھنے کا اہتمام کیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود افسوسناک بات یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے خود ساختہ ٹھیکیداروں کا ایک گروہ اب بھی راؤ کی حاشیہ برداری میں مصروف ہے اور انہیں مختلف کرتبوں سے یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہے کہ مسلمان تو ان کے بے دام غلام ہیں۔ بس ذرا یہاں چادر چڑھا دیں اور وہاں اپنا خصوصی پیغام پڑھوادیں۔ اس کانفرنس کے فنڈ کا انتظام کردیں اور اس اجلاس کے منتظمین کی جیبیں گرم کردیں۔ لیکن کیا عام مسلمان بھی کانگریسی شعبدہ بازی سے مرعوب ہورہا ہے اور کیا اس نے بابری مسجد کا خون ناحق معاف کردیا ہے اس کا احساس نرسمہا راؤ اور ان کے حاشیہ برداروں کو اس وقت ہوگا جب بیلٹ بکسوں سے ان کی تقدیر کے تئیں مسلمانوں کا دیا ہوا فیصلہ برآمد ہوگا۔

### بقیہ : آپ کی الجھنیں

ایسے بھی معاملات دیکھنے میں آئے ہیں کہ کسی عورت کے شوہر نے عقد ثانی کیا تو وہ اپنی سہیلیوں یا دفتر اور اسکول کی ساتھیوں کے مشورے قبول کرتے ہوئے شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے یہاں چلی گئی۔ ایک عورت کے تین بچے تھے انہیں لے کر وہ والدین کے پاس چلی آئی۔ ایک سال تک اسی طرح رہی جب اس کا شوہر مصالحت کے لئے گیا تو اس اقدام سے عورت کے گھر والوں کو اور اسے بھی خوشی ہوئی اس لئے کہ ایک سال میں اسے تکلیف و آرام کا فرق معلوم ہوگیا تھا اور یہ کہ اپنے بھائیوں کے پاس رہ کر اسے اپنی اولاد کی پرورش میں کن دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جب تک وہ والدین کے گھر میں رہی افسوس کرتی رہی کہ اس نے اپنی ساتھیوں کے مشورے پر عمل کیوں کیا۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کا گھر جلتا دیکھ کر ہاتھ سینکتے ہیں۔

## بڑی طاقتوں کی بے حسی کے سبب سرب جنگی مجرموں کو سزا دلانے میں

# بین الاقوامی عدالت بے دست وپا

بوسنیا امن معاہدہ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض دشواریوں کے باوجود نافذ ہوجائے گا۔ لیکن بے شمار لوگ اسے بجا طور پر بغیر انصاف کا امن قرار دے رہے ہیں۔ واضح رہے کہ اس جنگ میں بہت سے لوگوں نے معصوم شہریوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے ہیں۔ ان لوگوں پر مقدمہ چلانے کے لئے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ہیگ میں ایک انٹر نیشنل کورٹ کا قائم کیا ہے اس کورٹ کے دو ججوں نے کام شروع کردیا ہے۔ ان کے نام ہیں: رچرڈ گولڈ اسٹون اور گیبرئیل کرک میک ڈونلڈ۔ اب تک ان ججوں نے کئی الزامات کی چھان بین کرکے بعض مجرموں کی نشان دہی کردی ہے لیکن ان میں سے کسی پر بھی اب تک کوئی مقدمہ نہیں چلایا جاسکا ہے۔

جس وقت ڈیٹن میں بوسنیا کے تینوں فریق ایک امن معاہدے پر اتفاق کرنے کے قریب تھے اسی وقت انٹر نیشنل کورٹ نے دوسری بار بوسنیائی سربیا کے صدر رادون کرادزک اور بوسنیائی سرب فوج کے سربراہ ریٹکو ملادک کو سربرینیقا کے انسانیت سوز مظالم کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اس سے قبل جولائی میں بھی ان دونوں کو اسی کورٹ نے جنگی مجرم ٹھہرایا تھا۔ لیکن کیا ان جنگی مجرموں پر کبھی مقدمہ چلایا جاسکے گا یہ کہنا بہت مشکل ہے۔ **بہت سے لوگوں کو اندیشہ ہے کہ امن کے "شور شرابے" میں انصاف کی آواز دب کر رہ جائے گی۔**

بلاشبہ ہیگ میں واقع انٹر نیشنل کورٹ کئی مجرموں کو اپنے حوالے کئے جانے کا مطالبہ کررہا ہے تاکہ ان پر مقدمہ چلاکر انہیں قرار واقعی سزا دے سکے۔ لیکن ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔ ڈیٹن میں سربوں کی نمائندگی کرنے والے سربیائی صدر سلوبودون میلوسیوچ نے اس مطالبے کی سخت مخالفت کی تھی کہ رادون کرادزک اور ملادک پر مقدمہ چلانے کے لئے انہیں انٹر نیشنل کورٹ کے حوالے کردیا جائے۔ خود میلوسیوچ بھی جنگی جرائم سے پاک نہیں ہیں اور کسی وقت انہیں بھی مجرم قرار دیا جاسکتا ہے۔ دراصل میلوسیوچ ہی بنیادی طور پر بوسنیائی جنگ اور المیے کے لئے ذمہ دار ٹھہرائے جاسکتے ہیں۔ ایک طرح سے اس جنگ کا آغاز انہوں نے ہی کیا تھا۔ اسی طرح کروشیا کے صدر سے بھی جنگی جرائم اس معنے میں سرزد ہوئے ہیں کہ ان کے بعض کمانڈروں نے باقاعدہ کراجینا میں سربوں کو ان کے گھروں سے نکالا تھا۔ ابھی حال ہی میں کروشیائی صدر نے ایک ایسے ہی جنگی مجرم کو ترقی دے دی ہے جس پر ڈیٹن میں سخت احتجاج کیا گیا۔

سردست صرف ایک سرب جنگی مجرم دوسن ٹیڈک کو ہیگ میں گرفتار کرکے رکھا گیا ہے۔ حال ہی میں ہالینڈ نے ایک بوسنیائی مسلمان کو بھی گرفتار کیا ہے جس پر جنگی جرائم کا الزام ہے۔ لیکن دوسرے مجرم مثلاً سرب صدر و کمانڈر ان چیف رادون کرادزک، ریٹکو ملادک، سرب خفیہ پولیس کے چیف میلو اسٹینسک اور دوسرے سرب مجرم مثلاً ڈریگن نیکولک اور زلکومیالک اب بھی آزاد ہیں۔ اسی طرح بعض کروشیائی لیڈر بھی جنگی مجرم ہیں اور ابھی تک آزاد ہیں۔ ان میں بلاسکک، ڈیر یو کوردک، الویکا راجک، مالے مارکسک اور میرو سلیورادک سر فہرست ہیں۔ مذکورہ تمام ہی افراد انٹر نیشنل کورٹ کو مطلوب ہیں، امریکہ، یوروپی ممالک اور دوسری قومیں بھی انہیں جنگی مجرم قرار دیتی ہیں۔ امریکہ اور بعض یوروپی ممالک تو باقاعدہ یہ اعلان بھی کرچکے ہیں کہ اگر وہ ان میں سے کسی کو بھی پکڑسکے تو اسے انٹر نیشنل کورٹ کے حوالے کردیں گے۔

لیکن خود انٹر نیشنل کورٹ ان لوگوں پر مقدمہ کب چلاسکے گا۔ یہ کہنا مشکل ہے۔ سرب اور کروٹ جنگی مجرم اپنے اپنے محفوظ علاقوں میں گھوم رہے ہیں اور یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ان کے اپنے علاقوں کے علاوہ انہیں ہر جگہ گرفتاری کا خطرہ لاحق ہے۔ امریکہ اور دوسرے ممالک انہیں گرفتار کرنے کے لئے فوجی طاقت استعمال نہیں کرسکتے۔ ایسی صورت میں انٹر نیشنل کورٹ، جو مالی بحران سے بھی دوچار ہے، آخر کیا کرسکتا ہے۔ لیکن تمام دشواریوں کے باوجود رچرڈ گولڈ اسٹون نہ صرف پر امید ہیں بلکہ پرجوش انداز میں کوشاں بھی کہ ان تمام ہی جنگی مجرموں پر مقدمہ چلاکر انہیں ان کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے یہ تو اب وقت ہی بتائے گا کہ ان کی کوششیں کہاں تک بار آور ثابت ہوتی ہیں۔


بوسنیائی مسلمانوں کے قاتلوں کو سزا ہو پائے گی

> بین الاقوامی عدالت ان پر مقدمہ کب چلاسکے گی کہنا مشکل ہے کیوں کہ امریکہ اور دوسری بڑی طاقتیں اس میں دلچسپی نہیں لے رہی ہیں۔

## ”امریکہ نے ہمیں ان لوگوں کے ساتھ بٹھادیا جنھوں نے

# ہماری بیویوں کے ساتھ زنا بالجبر اور ہمارے والدین کو قتل کیا“

امریکہ کی ریاست اوہیو کے شہر ڈیٹن میں واقع رائٹ پیٹرسن ایئر فورس اڈے پر ایک میوزیم ہے جس میں ریاست میں بنائے جانے والے ہتھیار قرینے سے رکھے گئے ہیں۔ اس میوزیم میں ایف ۱۱۷ کے علاوہ کروز میزائل بھی تھے جن سے امریکہ نے چند ماہ قبل بوسنیا کے سربوں پر سخت حملہ کیا تھا۔ اسی حملے کے نتیجے میں بوسنیائی سربوں کو عقل کے ناخن لینے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔

مذکورہ میوزیم کو امریکہ نے بوسنیائی امن مذاکرات کے لئے منتخب کیا تھا۔ سربیا کے وفد کو ایف ۱۱۷ کی ونگ (بازو) کے نیچے جگہ دی گئی تھی جس میں کروز میزائل بھی لگا ہوا تھا۔ سربیا کے وفد نے اسے خاص طور سے نوٹ کیا اور ایک ممبر نے کہا بھی کہ گویا ہمیں یاد دلایا جارہا ہے کہ اگر ہم نے امن کے کسی معاہدے پر دستخط نہ کئے تو ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ بوسنیائی جنگ میں کروٹوں کے ہاتھوں شکست کھانے سے قبل، سرب ہی سب سے طاقتور گروپ تھے۔ اگر وہ امریکی ہتھیاروں سے خوف کھاسکتے ہیں تو دوسروں کا کیا کہنا۔ کروٹ اور مسلم دونوں ہی کافی سمجھ دار ہیں۔

مذکورہ میوزیم میں ہفتوں کے مذاکرات کے بعد بوسنیائی جنگ کے تینوں فریق ایک معاہدہ کرنے پر متفق ہوگئے۔ اس معاہدے کے مطابق بوسنیا کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ ۴۹ فیصد سربوں اور بقیہ ۵۱ فیصد علاقہ کروٹوں اور مسلمانوں کی فیڈریشن کو ملا ہے۔ اس فیڈریشن کا نظام حکومت بھی کافی پیچیدہ ہوگا۔ صدر مسلم اور وزیر خارجہ کوئی کروٹ ہوگا۔ معاہدے کے فوراً بعد بوسنیا کے مسلم وزیر خارجہ نے کروٹ وزیر خارجہ کے لئے استعفی دے دیا۔ لیکن وہ اس معاہدے سے خوش نظر نہیں آئے۔ ان کے اپنے الفاظ میں "انہوں (امریکیوں) نے ہمیں ان لوگوں کے ساتھ بٹھا دیا جنہوں نے ہمارے والدین کا قتل اور ہماری بیویوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا ہے۔ اور وہ ہم سے توقع کرتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ فٹ بال کھیلیں گے۔" محمد سسیر بے کے یہ الفاظ محض ان کے درد دل کے غماز نہیں بلکہ بوسنیا کے اکثر مسلمانوں کی زخمی روح کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ اس معاہدے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ پوری دنیا کی بے حسی وہ گذشتہ تین سالوں میں بارہا دیکھ چکے ہیں۔ اپنے بھائی مسلم ممالک کی بے بسی بھی ان پر عیاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علیجاہ عزت بیگووچ یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ "یہ غیر منصفانہ معاہدہ کم از کم جاری وساری خونیں جنگ سے بہتر ہے۔" کیونکہ اس جنگ میں یوروپ اور اقوام متحدہ کی غلط پالیسی کی وجہ سے ان کا سب سے زیادہ نقصان ہوا اور ہورہا تھا۔

ڈیٹن معاہدے سے مسلمانوں کو صرف یہ ملا ہے کہ سرائیوو کو بہر حال متحدہ رکھا گیا ہے اور وہ مسلم بوسنیا کا دارالحکومت ہوگا۔ لیکن سرب اسے ماننے کو تیار نظر نہیں آتے۔ ہزاروں سربوں نے اس معاہدے کے خلاف سرائیوو کے بوسنیائی حصے میں مظاہرہ کیا ہے۔ انہیں اندیشہ ہے کہ انہیں اپنے یا مسلمانوں اور کروٹوں سے چھینے ہوئے مقبوضہ مکانات اور زمینوں سے بے دخل ہونا پڑے گا۔ لیکن اس معاہدے کو تسلیم کرنے کے علاوہ اب ان کے پاس کوئی اور چارہ کار نہیں رہا۔ وہ امن معاہدے کے نفاذ میں دشواریاں ضرور پیدا کرسکتے ہیں لیکن اب اسے روک نہیں سکتے۔ مسلمانوں کو دوسرا فائدہ یہ نظر آتا ہے کہ امن کے بعد شاید انہیں امریکیوں کی مالی وفوجی مدد حاصل ہوسکے۔ دراصل اس علاقے میں کروٹ اور سرب دونوں ہی امریکہ پر اعتماد نہیں کرتے اس لئے بوسنیائی مسلمان ہی امریکیوں کے "فطری اتحادی" ہوسکتے ہیں۔

معاہدے میں، مسلمانوں کے اصرار پر، یہ شق بھی درج کی گئی ہے کہ مختلف شہروں اور گاؤں سے نکالے گئے افراد کو واپس لوٹنے، باز آباد کاری یا مناسب معاوضے کا حق حاصل ہوگا واضح رہے کہ بیس تیس لاکھ سے زائد مسلمان اپنے گھروں اور زمینوں سے بے دخل کئے گئے

باقی صـ۱۲ پر



# مراسلات

## میں جماعت اسلامی کے حق میں دعائیں کرتا ہوں

**نوٹ**

ملی ٹائمز کے گذشتہ شماروں میں جماعت اسلامی سے متعلق کچھ تجزیئے شائع ہوئے ہیں جن کا مقصد نصح وخیر خواہی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس سلسلے میں ہمیں جماعت کے بزرگ رہنماؤں کی جانب سے کچھ خطوط موصول ہوئے ہیں۔ ان تمام خطوط کو اخبار میں جگہ نہیں دی جاسکتی البتہ ہم اس سلسلے کا ایک خط شائع کر رہے ہیں۔
(ایڈیٹر)

۔۔۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اللہ کرے کہ تم سب خیریت سے ہو۔

۔۔۔۔۔ نے ملی ٹائمز انٹر نیشنل مئی کا پہلا شمارہ ارسال کیا۔ ابھی ۔۔۔۔ مضمون "یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا" پڑھا۔ جزاک اللہ ۔۔۔۔ میرے احساسات اور جذبات کی اچھی ترجمانی کی ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

حسین سلمہ صاحب گذشتہ دنوں یہاں آئے تھے تو دلی جاتے ہوئے محترم امیر جماعت اسلامی ہند کو ایک خط لکھا تھا اس میں لکھا تھا کہ اپنی ضعیفی کی وجہ سے عملاً کسی لائق نہیں رہا مگر دعاء کر سکتا ہوں اور میری روزانہ کی دعاؤں کا ایک جزیہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ جماعت اسلامی ہند کو مسخ ہونے اور منتشر ہونے سے بچا، جماعت اسلامی کو مومنین، مخلصین، قانتین، قانعین، شاکرین، صابرین اور مجاہدین فی سبیل اللہ سے نواز! اور اب دوبارہ امیر جماعت اسلامی ہند منتخب ہونے پر ان کو مبارکباد کا خط لکھ رہا ہوں۔ ان باتوں کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ گذشتہ سال جب چند دنوں کے لئے جماعت سے پابندی اٹھی تھی تو اس موقع پر مرکز جماعت اسلامی دہلی جانا ہوا تھا تو شفیع مونس صاحب کو معانقہ کرتے ہوئے اقبال کا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔ لادینی ولاطینی کس پیچ میں الجھا تو

دارو ہے ضعیفوں کا لاغالب الاھو

تو یہ ان کو بہت سخت لگا تھا اور تنہائی میں جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس پر شکوہ بھی کیا۔

ڈاکٹر عبدالمغنی صاحب نے "افکار ملی" دہلی میں بھارت کو دارالامان لکھا ہے اس پر ایک مضمون افکار ملی کے لئے لکھا ہے۔

اللہ کرے کہ بقر عید کے موقع پر تم سب بھائی یہاں آسکو۔ باقی باتیں انشاء اللہ عند الملاقات۔

والسلام خیر طلب

محمد حسنین سید

اسلام نگر رسول پور پوسٹ میڈیکل کالج

در بھنگہ (بہار)

## ملی پارلیمنٹ جماعت اسلامی کی مخالفت کیوں کرتی ہے

اس وقت ساری دنیا میں اسلامی نظام اور غلبہ اسلام کے لئے جو ہلچل اٹھی ہے یا اٹھ رہی ہے اگر اس کو شیطان سبوتاژ کرنا چاہے تو ایک حربہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو ایسی تحریکوں کو جو غلبہ اسلام کی حامل ہوں ان کو باہم ٹکرا دے۔ آپ کی ملی پارلیامنٹ اور ملی ٹائمز کے مقاصد غلبہ اسلام سے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ چلو! ایک دوسری تحریک بھی غلبہ اسلام کی کوشش کرنے کے لئے برپا ہوئی۔ مگر افسوس کہ سال بھر بھی نہ ہوا کہ جناب کے ادارے نے ہی جماعت اسلامی اور Sale جیسے مضامین لکھ کر دو غلبہ اسلام چاہنے والی تحریکوں میں تفریق پیدا کرنی شروع کر دی اور اس اختلاف کی "ابتداء" آپ کے ادارے نے ہی کی ہے۔ قیاس ہے کہ جناب عالی میری اس نشاندہی کو تنقید کے اصول کے منافی نہ قرار دیں گے مگر تنقید کی کچھ حدود اور ضرورتیں ہوتی ہیں نہ کہ ہر تنقیص کو تنقید قرار دے دیا جائے۔ میں غیر جانبدار فرد کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ جناب کے چند مضامین جو جماعت اسلامی کی مخالفت میں گذشتہ شماروں میں لکھے گئے ہیں لغو اور بے ہودہ ہیں۔ تنقید نہیں تنقیص کے حامل ہیں۔ للہ آپ ذرا غور کریں اور اس روش کو ترک کر دیں ورنہ سمجھا جائے گا کہ "شیطان معلون" کا جادو چل گیا ہے۔

ایک زمانہ تھا تقسیم ہند سے قبل کہ امت مسلمہ ہند میں مسلم لیگ اور خاکسار تحریک بے حد مقبول تھیں۔ مسلم لیگ سیاسی طور پر اور خاکسار تحریک تنظیمی طور پر۔ ہندوستان کے مسلمان ان تحاریک میں جوق در جوق شریک ہو رہے تھے اور قربانیاں بھی دے رہے تھے۔ مگر شیطان معلون نے علامہ مشرقی اور گاندھی جی کو ویلور جیل میں یکجا کیا اور وہ منتر پھونکا کہ علامہ مشرقی کی شامت آئی اور انہوں نے جیل سے نکل کر مسلم لیگ کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا۔ نتیجہ، ۱۹۴۷ء کے المناک حادثہ کی شکل میں سامنے آیا۔ یہ واقعہ میں آپ کو اس لئے یاد دلا رہا ہوں کہ تاریخ پھر وہی کروٹ لینے جا رہی ہے۔ آپ کی غلبہ اسلام والی تحریک جماعت کے خلاف خاکسار والی حرکت کرنے جا رہی ہے۔ بگڑے گا کسی کا کچھ نہیں بس یہی ہوگا کہ آپ کا قلم تحریک اسلامی کے شجر سایہ دار کے خلاف کچھ فضا پیدا کر دے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ جو کچھ کرنے جا رہے ہیں وہ سب بیکار جائے گا۔ آپ اٹھے ہیں امت مسلمہ ہند کی تقدیر بنانے مگر آپس میں دست و گریباں ہو کر امت کی ہی تقدیر بگاڑ دیں گے

کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ تحریک اسلامی سے میل ملاپ کر کے اپنی تحریک کو بڑھائیں۔ بالفرض یہ ممکن نہ ہو تو کیا آپ اس تحریک کو بائی پاس نہیں کر سکتے۔ نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کیا اس کی مخالفت سے ہی آپ کی تحریک ملی پارلیامنٹ پروان چڑھ سکتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب! اس ملت کی بدنصیبی یہی ہے کہ جو بہی خواہ ہیں وہ خود ہی آپس میں سر ٹکرا کر زخمی ہو جاتے ہیں اور امت وہیں کی وہیں رہتی ہے جیسا کہ ہندوستان کی ماضی کی تاریخ میں ہوتا رہا ہے۔ بھئی ہم تو واقعی اب مسلمانوں کے مقدر سے مایوس ہوتے جا رہے ہیں۔

قاضی سید ظہیر الحسن سحار ضلع متھرا (یوپی)

## میں رکشہ ڈرائیور ہوں بوسنیا کی جنگ میں شامل ہونا چاہتا ہوں

آپ کا خط اور بوسنیا کے تعلق سے پوسٹر کا پارسل ملا۔ میں نے انہیں شہر کی اہم جگہوں پر چسپاں کر دیا ہے۔ پوسٹر پڑھ کر انتہائی خوشی بھی ہوئی اور جوش بھی۔ اسلام دشمن طاقتوں سے جنگ کرنے، اللہ کے دین کو اللہ کی زمین پر نافذ کرنے کی امنگیں میرے دل میں بھی بہت ہیں۔ میں بھی بوسنیا کے جہاد میں شامل ہونا چاہتا ہوں مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں بوسنیا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ میں ایک معمولی رکشہ ڈرائیور ہوں۔ بوسنیا جانے کا کرایہ کہاں سے لاؤں لیکن اگر میرے پاس کہیں سے روپے آجائیں تو میں انشاء اللہ بوسنیا کے لئے کوچ کر جاؤں گا۔ یہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ بہت سے مسلم نوجوان بوسنیا جا رہے ہیں۔ میں ان کے لئے کہوں گا کہ مجاہدان صف شکن بڑھے چلو بڑھے چلو۔

شیخ اعجاز احمد

شانتی نگر۔ بھیونڈی (مہاراشٹر)

## میں بوسنیا کے نیک کام میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں

جناب راشد شاذ صاحب میں آپ کے نظریے کا احترام کرتے ہوئے خلوص دل سے آپ کی ہمت کی داد دیتا ہوں۔ میں اس سال بیس سال کا ہو چکا ہوں اور میں بوسنیا میں ہو رہے مسلمانوں پر ظلم و ستم کو سن کر اور پڑھ کر تڑپ اٹھتا ہوں۔ میں بھی ان پر ہو رہے ظلم کا جواب پتھر سے دینا چاہتا ہوں اور اس کام میں اللہ ہماری پوری مدد کرے گا۔ اللہ کی ذات پاک پر مجھے کامل یقین ہے۔ اللہ آپ کے حوصلے کو بلند و بالا رکھے۔

اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں آپ کے اس نیک کام میں مدد کرنا چاہتا ہوں۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ مہربانی کر کے اس بارے میں مجھے معلومات فراہم کریں۔ شاید اوپر والے نے مسلمان بھائیوں کی حفاظت کی ذمہ داری آپ پر رکھی ہے۔ اللہ آپ کو اور دوسرے جو اس کام میں آپ کی مدد کر رہے ہیں ان سب کی حفاظت کرے۔ اور نیک راہ پر چلتے ہوئے کامل ایمان کے ساتھ شہادت نصیب کرے۔ مہربانی کر کے اس بارے میں تفصیلی معلومات بھیجئے۔

محمد ایمن

نور محمد بلڈنگ۔ بمبئی

## بدخواہان یونیورسٹی اور وی سی کی خوش فہمی کا نتیجہ

**ایس آئی ایم علیگڑھ یونٹ کے صدر شاہ بدر فلاحی نے یونیورسٹی میں ہوئی توڑ پھوڑ، آتشزنی اور اساتذہ کی بے عزتی پر شدید رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ صرف بدخواہان یونیورسٹی اور شیخ الجامعہ کی خوش فہمی کا نتیجہ ہے۔**

قبل از وقت تعطیل کے اعلان پر صدر یونٹ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ محض شرپسند عناصر، مفاد پرست مشیروں اور انتظامیہ کی کم فہمی ہے، اس سے طلباء کا ناقابل تلافی علمی نقصان ہوگا۔ طلباء اس تعطیل کو کڑوا گھونٹ سمجھ کر پی لیں گے، بشرطیکہ تعطیل کے دوران کیمپس شرپسند عناصر اور مفاد پرست مشیروں سے پاک ہو جائے۔

سکریٹری ایس آئی ایم یونٹ۔ علی گڑھ

## سبط رضی صاحب سنگھ پریوار کو درس دیں

جب سے جناب سبط رضی صاحب کو وزارت کا عہدہ ملا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی شروع کر دی ہے۔ وہ کبھی یہ کہتے ہیں کہ مسلمان اپنے حقوق کے ساتھ فرائض کو سمجھیں کبھی یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس ملک کا وفادار ہونا چاہئے۔ اس قسم کے متعدد بیانات اخبارات میں شائع ہو رہے ہیں جو انتہائی افسوسناک ہے۔ ہندوستان کا ہر مسلمان اپنے حقوق اور فرائض کو بخوبی سمجھتا ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے وہ کسی خصوصی حیثیت اور رعایت کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ ایک ہندوستانی شہری کی حیثیت سے ہر وہ حق چاہتا ہے جو کسی بھی ہندوستانی شہری کو خواہ اس کا مذہبی عقیدہ کچھ بھی ہو ہندوستانی آئین نے دیا ہے۔ جناب سبط رضی کو ملک کے تئیں اتنا ہی احساس وفاداری ہے تو انہیں اس کا درس ایل کے ایڈوانی، اشوک سنگھل، بال ٹھاکرے اور چندرا سوامی وغیرہ کو دینا چاہئے جنہوں نے اس ملک کے آئین اور قانون کے ساتھ نہ صرف کھلواڑ کیا بلکہ اس ملک کو پوری دنیا میں رسوا کیا۔ وہ اپنے وزیراعظم کو اس بات پر کیوں نہیں شرمندہ کرتے جنہوں نے بابری مسجد کی شہادت کے بعد ۸ دسمبر ۱۹۹۲ء کو گھڑیالی آنسو بہاتے ہوئے کہا تھا کہ تخریب کا جواب تعمیر سے دیا جائے گا اور جنہوں نے ۱۵ اگست ۱۹۹۳ء کو لال قلعہ کی فصیل سے بہ حیثیت وزیراعظم یہ اعلان کیا تھا کہ بابری مسجد کی تعمیر اسی جگہ جلد ہوگی انہوں نے اپنا عوام سے کیا ہوا وعدہ اب تک پورا نہیں کیا۔ اب اس المیہ کو کیا کہا جائے کہ اس ملک کا وزیراعظم جھوٹے وعدہ کرنا جانتا ہے

محمد کمال الظفر و عبدالمنان ایڈوکیٹ

جنرل سکریٹری و سکریٹری

مونس۔ پٹنہ (بہار)

### مظفر نگر میں اصلاحی اجلاس

**گذشتہ ۱۴ نومبر کو مظفر نگر کے سروٹ محلہ** میں ایک اصلاحی اجلاس منعقد ہوا جس میں دارالعلوم وقف دیوبند کے مبلغ مولانا سید ابوالکلام صاحب کے علاوہ کئی علماء نے شرکت کی۔ حمد و نعت کے بعد اصلاحی تقریریں ہوئیں۔ آخر میں مولانا سید ابوالکلام صاحب کی دعاء سے مجلس کا اختتام ہوا۔

محمد اسحاق۔ سروٹ ضلع مظفر نگر

## میں بھی بوسنیا جانا چاہتا ہوں

بوسنیا کے تعلق سے آپ کے اقدام سے میں بہت متاثر ہوا۔ میری بھی خواہش ہے کہ میں بوسنیا کے جہاد میں شرکت کروں۔ میں اپنی زندگی مسلم دنیا کی خدمت کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں۔ براہ کرم آپ اس سلسلے میں میری رہنمائی فرمائیں۔

ٹی۔ پی عمر فاروق

کالی کٹ۔ کیرالہ

## جماعت اسلامی ایک مشورہ

شمارہ ۱۰۔ ۱۵ نومبر میں جماعت اسلامی تحریک کی جس احسن طریقے سے رہنمائی کی گئی ہے اس طرح کے مضامین برابر شائع ہوں۔ گندی سیاست کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے اور انسانیت کی فلاح پر ہر شمارے میں مقالہ شائع کیا جائے۔

محمد شفیع خاں، راجہ پور، بلبل نواز، بہرائچ (یوپی)

## اسلامی معاشیات پر ایک سیمنار

مشرقی اتر پردیش کی مشہور دینی درسگاہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ میں گذشتہ ۲۷ / ۲۸ اکتوبر کو "اسلامی معاشیات۔ امور و مسائل" کے موضوع پر دو روزہ سیمنار ہوا۔ یہ سیمنار انڈین ایسوسی ایشن فار اسلامک اکانومکس کے تعاون سے ہوا تھا۔ ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی نے "اسلامی معاشیات۔ نمایاں خصوصیات" کے موضوع پر اپنا کلیدی خطبہ پیش کیا۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی (ریڈر ڈپارٹمنٹ آف اکانومکس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے "اسلامی معاشیات کے بنیادی ماخذ" کے موضوع کے تحت ان ممکنہ مصادر کی نشاندہی کی جن کی مدد سے اسلامی معاشیات کے رہنما اصول مرتب کئے جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی (ریڈر ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے اسلامی معاشیات کو فقہ و فتاوی کی روشنی میں سمجھنے پر زور دیا۔ صباح الدین اعظمی ریسرچ اسکالر شعبہ معاشیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنا مقالہ بعنوان "اسلامی معاشی افکار۔ ایک تاریخی و تجزیاتی مطالعہ" پیش کیا۔

"اسلامی بینکنگ۔ مسائل و امکانات" کے موضوع پر ڈاکٹر جاوید احمد خان لیکچرر سینٹر آف ویسٹ ایشین اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے روشنی ڈالی۔

سیمنار کے ایک سیشن میں مدارس میں اسلامی معاشیات کی تدریس کے لئے ایک نصابی خاکے پر غور ہوا جس میں ماہرین نے اسلامی معاشیات کے نصابی کورس پر تبادلہ خیال کیا۔

جاری کردہ کنوینر پروگرام

جامعۃ الفلاح۔ بلریا گنج (اعظم گڑھ)

# مصر میں انتخابات کے نام پر تقرریاں ہوئی ہیں

## حسنی مبارک نے انتخابی بد عنوانی کا ریکارڈ قائم کر دیا

گذشتہ دنوں مصر میں منعقد ہونے والے انتخابات کے نتائج متوقع طور پر حکمراں نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے حق میں گئے ہیں۔ ایک غیر جانبدار مصری دانشور نے پہلے ہی پر مزاح انداز میں نتائج کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کے بقول حسنی مبارک کی حکمراں جماعت کو حکومت سازی کے لئے ساٹھ فیصد ارکان اسمبلی کی ضرورت ہے۔ پس وہ کم از کم اتنی سیٹیں تو ضرور جیتے گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بقیہ چالیس فیصد میں سے حکومت اپوزیشن جماعتوں کو از راہ کرم کتنی سیٹیں جیتنے کی اجازت دیتی ہے۔ انتخابات کے نتائج نے ثابت کر دیا ہے کہ حسنی مبارک اور ان کی جماعت نام کے لئے بھی شرافت اور ایمانداری کے تقاضے پورے کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

انتخابی مہم کے دوران اپوزیشن جماعتوں اور بعض عالمی تنظیموں نے غیر جانبدار مشاہدین کے ذریعے انتخابی عمل کی نگرانی کا مطالبہ کیا تھا۔ مگر حسنی مبارک نے قابل فہم طور پر اسے رد کر دیا۔ ظاہر ہے بین الاقوامی مشاہدین کی موجودگی میں بڑے پیمانے پر دھاندلی کرنا ممکن نہ ہوتا۔

انتخابات سے قبل ہی اپوزیشن جماعتوں کے علاوہ انسانی حقوق کے لئے سرگرم تنظیموں نے اعلان کر دیا تھا کہ حکمراں جماعت بڑے پیمانے پر دھاندلی کا پروگرام بنا چکی ہے۔ اگرچہ حکومت نے بار بار اعلان کیا تھا کہ انتخابات صاف ستھرے ہوں گے لیکن ان باتوں پر خود حکمراں جماعت کے حامیوں کو بھی اعتماد نہیں تھا کیونکہ وہ خود ہی اپنے باسوں کے اشارے پر بڑے پیمانے پر دھاندلی کرنے کی تیاری میں مصروف تھے۔ اتنے ہی پر بس نہیں کیا گیا۔ پولیس نے حکمراں جماعت کے اشارے پر اپوزیشن، خصوصاً اخوان المسلمین کے الیکشن ایجنٹوں کو پولنگ سے پہلے گرفتار کر لیا تھا۔ ووٹروں کے رجسٹریشن میں بھی دھاندلی کی گئی۔ اپوزیشن کا یہ مطالبہ کہ انتخابی عمل کے اختتام پر غیر استعمال شدہ بیلٹوں

> حکومت نے جس بڑے پیمانے پر دھاندلی کر کے اپوزیشن بالخصوص اخوان المسلمین کو شکست دی ہے اس سے اس دعوے کو تقویت ملتی ہے کہ حسنی مبارک صرف بندوق کی زبان سنتے اور سمجھتے ہیں۔

کو باکس میں نہ ٹھونسا جائے، رد کر دیا گیا۔ دراصل اس طریقے سے بڑے پیمانے پر دھاندلی ممکن ہو جاتی ہے۔ اپوزیشن کے ایجنٹوں کو گرفتار کرنے کا مقصد یہی تھا کہ غیر استعمال شدہ بیلٹوں کو اس طرح حکومت کے نمائندوں کے حق میں استعمال کر لیا جائے۔ اور ہوا بھی یہی۔

بین الاقوامی تنظیموں کے مشاہدین بھیجنے کے مطالبے کو رد کر کے حکومت نے اپنے طور پر مصری شہریوں پر مشتمل مشاہدین کی ایک ٹیم بنائی تھی اس ٹیم نے بھی اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ انتخاب سے پہلے ایک ماہ کے اندر بڑے پیمانے پر نئے ووٹروں کے نام ووٹر لسٹ میں شامل کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہزاروں ایسے ہیں جن کے نام قاہرہ کے بیشتر حلقہ ہائے انتخاب میں موجود ہیں۔ ظاہر ہے یہ کام صرف حکمراں جماعت کر سکتی ہے کیونکہ افسروں پر انہیں کا اثر ہے۔



حکومت کا دعوی بھی کھوکھلا تھا کہ اہم پولنگ اسٹیشنوں پر ججوں کو متعین کیا جائے گا۔ پورے ملک کے کل ۲۷ ہزار پولنگ اسٹیشن میں سے صرف ۱۸سو اسٹیشنوں پر جج حضرات موجود تھے۔ بقیہ جگہوں پر دھاندلی کھل کر ہونی تھی سو ہوئی۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ پہلے مرحلے کی پولنگ کے نتائج آنے کے بعد حکمراں جماعت نے ۱۶۰ میں سے ۱۴۴ سیٹوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ مصری پارلیامنٹ میں کل ۴۴۴ سیٹیں ہیں۔

پہلے مرحلے کے انتخابات کے بعد لبرل پارٹی کے اخبار نے یہ شاہ سرخی لگائی "جمہوریت کے لئے ایک سیاہ دن" جو صحیح معنوں میں پورے انتخابی عمل کی سچی تعبیر ہے۔

پہلے مرحلے کے انتخاب کے بعد اخوان المسلمین کے ترجمان مامون ہضیبی نے کہا کہ "یہ کھلی ہوئی دھاندلی ہے۔ انتہائی بڑے پیمانے پر نہایت وحشیانہ انداز میں ایسی دھاندلی کی گئی جس کی نظیر مصر کی انتخابی تاریخ میں ڈھونڈنا مشکل ہے۔ یہ انتخابات نہیں بلکہ تقرریاں ہیں۔

"

حکومت نے جس بڑے پیمانے پر دھاندلی کر کے اپوزیشن جماعتوں خصوصاً اخوان المسلمین کو شکست دی ہے اس سے الجہاد الجماعۃ الاسلامیہ جیسے عسکریت کے حامی اسلام پسندوں کے اس دعوے کو تقویت ملے گی کہ حسنی مبارک صرف بندوق کی زبان سنتے اور سمجھتے ہیں۔ مسلم دنیا کے حکمراں پہلے جمہوریت کا گلا دبا کر عوام کے سچے ترجمانوں کو کچلتے ہیں جس کے نتیجہ میں نوجوان جو تبدیلی کے خواہاں ہوتے ہیں تنگ آکر ہتھیار اٹھا لیتے ہیں۔ شاید مصر میں اب حکومت اور حکومت مخالف عناصر کے درمیان مسلح ٹکراؤ میں مزید شدت آجائے۔ وہ مغرب جو مبارک کی حمایت کرتے ہوئے نہیں تھکتا، اگر دیانتداری سے حالات کا جائزہ لے تو اسے اندازہ ہو گا کہ بہتوں کی شدت پسندی کے پیچھے مغرب نواز حکومتوں کا ہاتھ ہے۔ یعنی ان کی غیر منصفانہ پالیسیاں جن کا مقصد اپوزیشن کو ہر حال میں کچلنا ہوتا ہے۔

# لیبیا کے اپوزیشن لیڈر ابو زید کے قتل میں قذافی کا ہاتھ؟

۲۷ نومبر کو لندن میں واقع اپنی دوکان میں علی محمد ابو زید قتل کر دئے گئے۔ زید لیبیا کے باشندے تھے اور لندن میں پناہ گزین کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔ وہ کرنل معمر قذافی کے سخت مخالف تھے۔ برطانوی پولیس کا کہنا ہے کہ سردست یہ واضح نہیں ہے کہ یہ قتل سیاسی ہے یا نہیں۔ بہر حال ۵۵ سالہ زید اپنی دوکان میں مردہ پائے گئے لیکن دوکان سے کوئی چیز چوری نہیں کی گئی۔ پولیس کا یہ بھی کہنا ہے کہ قتل کے اسباب اور مقصد سے متعلق ان کا ذہن کھلا ہوا ہے اور تحقیق کے بعد ہی کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے۔

لیکن ابو زید کے اہل خاندان کو یقین ہے کہ یہ قتل سیاسی ہے۔ ابو زید لیبیا کی اپوزیشن جماعت کے ایک ممتاز ممبر تھے اور معمر قذافی کی مخالفت میں آگے رہتے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں انہیں بیس ماہ جیل کی سزا ہوئی تھی۔ ان کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے قذافی کی تنقید کی جرات کی تھی۔

جیل سے نکلنے کے بعد وہ برطانیہ چلے آئے۔



۱۹۸۱ء میں نیشنل فرنٹ برائے نجات لیبیا کے قیام میں انہوں نے اہم رول ادا کیا تھا۔ ۱۹۸۴ء میں وہ تیونس میں تھے جہاں سے انہوں نے تریپولی میں قذافی کے مرکز پر حملہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

نیشنل فرنٹ برائے نجات لیبیا کے ایک ترجمان نے الزام عائد کیا ہے کہ ابو زید کے قتل میں لیبیائی حکومت کے ایجنٹوں کا ہاتھ ہے۔ قاہرہ میں واقع اس فرنٹ کے ترجمان محمد فائز جبرئیل نے کہا "ہمیں یقین ہے یہ ایک سیاسی قتل ہے۔ قذافی سیاسی قتل کی ایک لمبی تاریخ اپنے پیچھے رکھتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ قتل قذافی کی ایماء پر ہوا ہے"۔ جبرئیل نے مزید کہا کہ گذشتہ ہفتہ ابو زید کے امریکہ میں مقیم ایک رشتہ دار نے انہیں آگاہ کیا تھا کہ ان کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے۔ اس رشتہ دار کو لیبیا میں اپنے ذرائع سے معلوم ہوا تھا کہ ابو زید کو راستے سے ہٹانے کا پروگرام بن رہا ہے۔ فائز جبرئیل نے یہ بھی انکشاف کیا کہ قذافی نے ایک بار ابو زید کو مجرم قرار دیا تھا اور دو ماہ قبل ایک نشست کے دوران ۵، ملکوں میں پناہ گزیں اپنے مخالفین کو قتل کرنے

> ابو زید کے اہل خاندان کو یقین ہے کہ یہ سیاسی قتل ہے۔ ابو زید لیبیا کی اپوزیشن جماعت کے ایک ممتاز ممبر تھے اور قذافی کی مخالفت میں آگے آگے رہتے تھے۔

کی تلقین کی تھی۔ اسی طرح انقلابی کونسل کے ایک اجلاس میں بھی انہوں نے برملا کہا تھا کہ "غداروں کو ختم کر دیا جائے چاہے وہ کہیں بھی ہوں"۔ ظاہر ہے یہ "غدار" ابو زید جیسے لوگ تھے جو قذافی کا تختہ الٹنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ فائز جبرئیل کو اوپر کی تفصیلات کی روشنی میں یقین ہے کہ ابو زید کا مجرمانہ قتل لیبیا کی حکومت نے کرایا ہے۔

لیکن لیبیا کی وزارت خارجہ نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ حکومت اس قتل کی تفتیش میں حصہ لینا چاہتی ہے۔ اس ضمن میں برطانوی وزارت خارجہ سے سرکاری سطح پر رابطہ قائم کیا گیا ہے لیکن حکومت کی اس تردید کے باوجود کرنل قذافی کے مخالفین انہیں کو اس قتل کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ "یہ دہشت گردی ہے۔ یہ ایک سیاسی جرم ہے۔ ہم ابو زید کی سرگرمیوں سے واقف ہیں۔ وہ لیبین اپوزیشن کی کتابیں اور رسالے بیچا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لیبیا کی حکومت نے انہیں اپنے راستے سے ہٹا دیا۔" یہ نیشنل فرنٹ برائے نجات لیبیا کے الفاظ ہیں جس پر ملک کے اندر اور باہر بے شمار لوگ یقین کرنے کو تیار ہیں۔

•

# محمود الرحمن کی ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی یونیورسٹی کو لے ڈوبی

## مسلم یونیورسٹی کے دورہ سے واپسی پر نمائندہ ملی ٹائمز کی تفصیلی رپورٹ

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پر تشدد ہنگاموں کے بعد پہلے بند کی گئی اور پھر سردیوں کی تعطیل کردی گئی ۔ ابھی تک یہ واضح نہیں ہوسکا ہے کہ



یونیورسٹی انتظامیہ نے یونیورسٹی کھلنے کے بعد حالات کو پرسکون رکھنے کے لئے کیا اقدامات کئے ہیں۔ لیکن یونیورسٹی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے باشعور افراد سے گفتگو کے بعد جو تاثر ابھرتا ہے وہ کچھ یوں ہے:

طلبہ برادری کا وہ حصہ جس نے دور فاروقی میں بے جا مراعات حاصل کی تھیں اور جن میں لیڈروں کے علاوہ عام طلبہ کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد شامل ہے، وہ جناب محمود الرحمن سے فطری طور پر نالاں ہے ۔ لیکن طلبہ کی خاموش اکثریت کا بھی ایک خاطر خواہ طبقہ مختلف وجوہ سے ناراض ہے ۔ بعض اس وجہ سے کہ انہوں نے شرپسند عناصر کے خلاف محض زبانی جمع خرچ کی اور ان کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا ۔ کچھ اس لئے نالاں ہیں کہ یونیورسٹی بند کرنے کے بعد انہوں نے تمام طلبہ کو بوریا بستر کے ساتھ گھر جانے کا حکم جاری کردیا جس سے عام اور پرامن طلبہ کو بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن طلبہ کی اکثریت اب اس خیال کی حامی نظر آتی ہے کہ وائس چانسلر کو گذشتہ ہنگاموں سے سبق لینا چاہئے اور تمام شرپسند عناصر کے خلاف چاہے وہ طلبہ ہوں یا اساتذہ، سخت قدم اٹھانا چاہئے۔

سنجیدہ طلبہ و اساتذہ محمود الرحمن کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ وہ کافی محنتی ہیں۔ لیکن ان کی سب سے بڑی کمزوری ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی ہے۔ انہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ محض ان کے علی گڑھ میں قدم رکھنے سے حالات سدھر جائیں گے ۔ جب بھی ان کی توجہ کسی ممکنہ خرابی کی طرف دلائی جاتی تو وہ بڑے کروفر سے کہتے کہ "میں ہوں نا! ایسا نہیں ہوگا"۔ اسی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے پرانی ٹیم کے ان لوگوں کو بھی بدلنے کی زحمت نہیں کی جنہیں ان کی صلاحیت کے بجائے فاروقی صاحب سے متعلق ان کے وفادارانہ جذبات کی بنا پر بعض اہم مناصب پر فائز کیا گیا تھا۔ فاروقی دور کے آخری پراکٹر اس لئے اس عہدے پر نہیں بیٹھے تھے کہ اس کے اہل تھے بلکہ انہیں یہ عہدہ اس لئے ملا تھا کہ دوسرے اہل اور باعزت افراد سابق وائس چانسلر کی قیادت میں کام کرنے کو تیار نہیں تھے۔ ایسے پراکٹر پر مسلسل اعتماد کا نتیجہ ہے کہ یونیورسٹی کو ایک بار پھر برے دن دیکھنے پڑے ۔ اسی طرح بعض اہم مناصب پر محض اپنی ہٹ دھرمی سے وائس چانسلر نے ایسے افراد کو متعین کردیا جن کا ماضی خراب رہا ہے۔ کنٹرولر آفس میں کمپیوٹر سیکشن کا چارج جن صاحب کو دیا گیا ہے، ان کے بارے میں سنجیدہ طلبہ و اساتذہ دونوں کی رائے تھی کہ وہ مناسب نہیں ہیں ۔ جن طلبہ سے بھی نمائندہ ملی ٹائمز کو گفتگو کا موقع ملا انہوں نے برملا کہا کہ داخلوں میں دھاندلی کا سرچشمہ کمپیوٹر سیکشن کے انچارج کی ذات تھی۔ یہ بھی سننے کو ملا کہ وائس چانسلر کو ان کے بہی خواہوں نے اس مخصوص شخص کے خلاف مشورہ بھی دیا تھا مگر انہوں نے سنی ان سنی کردی۔ اگرچہ وائس چانسلر کو کسی بھی عہدے پر کسی بھی شخص کو اپنی صوابدید سے تقرر کرنے کا حق ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ذمہ دار مناصب پر کسی کا تقرر کرنے سے قبل اس کے ماضی کی چھان پھٹک کرلی جائے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ کنٹرولر آفس کے پرانے کارکنوں پر جن کی وفاداریاں ایک سابق کرپٹ آفیسر سے ہیں جو اوور ٹائم کرکے پیسے کمانے کے عادی تھے ۔ آخر وائس چانسلر نے ان پر کیسے اعتماد کرلیا۔

یونیورسٹی کے سنجیدہ طبقہ نے ایک اور کمزوری کی طرف بھی اشارہ کیا۔ وہ یہ کہ جناب محمود الرحمن صاحب بالعموم احکام جاری کرکے

**محمود الرحمان نے یونیورسٹی کو ایک معمولی مسئلہ سمجھ کر غلطی کی ہے۔ یہ سوچنا کہ کوئی ان کا مخالف نہیں ہے غلط ہے ۔ بد قسمتی سے علیگڑھ طالع آزماؤں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اور یہ عناصر طلبہ میں بھی ہیں اور اساتذہ میں بھی ۔ وائس چانسلر ان عناصر کی طرف سے مسلسل غفلت برت رہے ہیں۔**

خاموش ہوجاتے ہیں اور یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کرتے کہ ان کے ماتحتوں نے ان پر عمل کیا یا نہیں۔ انہوں نے آنے کے ساتھ ہی یہ حکم جاری کیا تھا کہ تمام رہائشی ہالوں سے غیر قانونی طور سے قیام پذیر لوگوں کو نکال باہر کیا جائے ۔ مگر ہماری اطلاعات کے مطابق صرف ایس ایس ہال کے شمالی حصے میں اس حکم پر عمل ہوا اور اکثر ہالوں کے ذمہ داروں نے اس حکم کو نظر انداز کردیا۔ اگر وائس چانسلر نے پیچھے گھوم کر یہ دیکھ لیا ہوتا کہ ان کے مذکورہ حکم پر عمل ہوا ہے یا نہیں تو شاید آج انہیں تمام طلبہ کو بوریا بستر کے ساتھ گھر جانے کا حکم نہ دینا پڑتا۔ جس سے عام طلبہ کو کافی زحمت اٹھانی پڑی ۔ بعض اساتذہ نے یہ شکوہ بھی کیا کہ وائس چانسلر اس وقت سخت قدم اٹھاتے ہیں جب بدتمیزی ان کے ساتھ ہوتی ہے ۔ وہی عناصر جن کا اب وہ اخراج کر رہے ہیں، ایک مدت سے اساتذہ اور پرامن طلبہ کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آتے رہے ہیں، یہاں تک کہ ان کے خلاف پولیس میں متعدد مقدمات بھی ہیں، کتنوں پر داخلوں کے ذریعے پیسے کمانے کا الزام بھی ہے، مگر ان میں سے کسی کے خلاف بھی انہوں نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

وائس چانسلر کی کمزوریوں میں سے ایک بڑی کمزوری ان کی بے تکان گفتگو کرنے کی عادت ہے ۔ ہر کس و ناکس سے یہ سننے کو ملا کہ آنجناب اکثر ان مواقع پر بھی خود ہی بولتے رہتے



ہیں جہاں وہ دوسروں کو مشوروں کے لئے بلاتے ہیں۔ خود بولنے اور دوسروں کی نہ سننے کی عادت نے بھی ان کے لئے بعض مسائل کھڑے کردئے ہیں۔

وائس چانسلر کی خوبیوں پر بھی بعض لوگوں نے روشنی ڈالی۔ بقول شخصے مشکل وقت میں ان کے ہاتھ پیر نہیں پھولے بلکہ سخت فیصلہ لینے کے حوصلے کا انہوں نے مظاہرہ کیا۔ لوگ امید کرتے ہیں کہ وہ آئندہ اب زیادہ بہتر انداز میں کام کریں گے۔

جناب محمود الرحمن نے علی گڑھ کو ایک معمولی مسئلہ سمجھ کر غلطی کی ہے ۔ یہ سوچنا کہ کوئی ان کا مخالف نہیں غلط ہے۔ بد قسمتی سے علی گڑھ طالع آزماؤں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے ۔ اور سب سے بڑی بد قسمتی یہ ہے کہ یہ طالع آزما اساتذہ میں بھی ہیں اور طلبہ میں بھی ۔ محمود الرحمن صاحب کی غلطی یہ ہے کہ وہ ان عناصر کی طرف سے مسلسل غفلت برت رہے ہیں ۔ کتنے ہی طالع آزما خود وائس چانسلر بننا چاہتے تھے اور مقدور بھر اس کے لئے کوشش بھی کی ۔ وہ لوگ اب بھی خاموش نہیں بیٹھے اور اس تاک میں ہیں کہ حالات خراب کر کے موجودہ وائس چانسلر کو بھاگنے پر مجبور کردیں۔ ان طالع آزماؤں میں اب بد قسمتی سے ایک پڑھے لکھے سینئر استاد بھی شامل ہیں۔ ان کے ایک حامی جو فارسی نہ جاننے کے باوجود فارسی دانی کا صدر جمہوریہ ایوارڈ لے چکے ہیں، خاص طور سے سرگرم ہیں۔ یہی عناصر جناب محمود الرحمن کی بعض چھوٹی مگر فاش غلطیوں کا استحصال کر رہے ہیں۔ اس لئے انہیں احتیاط برتنی چاہئے کہ آئندہ کوئی پروگرام تلاوت کلام پاک کے بغیر نہ شروع ہو۔

گذشتہ ہنگاموں کے بارے میں بعض افراد نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ اس میں ایک ایسے طالع آزما کا ہاتھ تھا جو کوشش بسیار کے بعد بھی وائس چانسلر نہ بن سکا۔ ان صاحب پر یونیورسٹی کی ایک خیراتی سوسائٹی کو ہتھیا لینے کا الزام ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ڈیوٹی سوسائٹی وہ نہیں ہے جسے صاحبزادہ آفتاب احمد خان نے قائم کیا تھا تو پھر اس امر کی جانچ کیوں نہیں ہوتی کہ آخر وہ سوسائٹی کیا ہوئی ۔ موجودہ سوسائٹی کو عطیہ دینے والا کورٹ میں عطیہ دہندگان کے کوٹے سے منتخب ہوتا ہے ۔ کون اصل ڈیوٹی سوسائٹی کی جائدادوں پر قابض ہے ۔ الغرض صاحبزادہ آفتاب احمد خان کی قائم کردہ سوسائٹی کیسے ختم ہوگئی اور اس کی جگہ اسی نام سے ایک نئی سوسائٹی بن گئی۔ جس کا یونیورسٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ آخر پہلی ڈیوٹی سوسائٹی کی موجودگی میں کوئی نئی سوسائٹی اسی نام سے کیسے رجسٹرڈ ہوسکتی ہے جس کے پیسوں کو ذاتی مقاصد اور خواہشات کی تکمیل کے لئے استعمال کیا جارہا ہے ۔ جب تک جناب محمود الرحمن ایسے معاملات کی چھان بین کرکے مجرموں کو بے نقاب نہیں کرتے اور جب تک وہ "کانگریس کا پٹھو" ہونے کی اپنی امیج کو نہیں دھوتے، ان کے لئے علی گڑھ کو امن و سکون کے ساتھ چلانا اور اسے شاہراہ ترقی پر گامزن کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

### بقیہ : ــــــ عام انتخابات میں .....

جماعتوں ہی کا ساتھ دیا اور اس کی مثالیں ہمارے پاس شروع سے آج تک موجود ہیں۔ مولانا آزاد، سید محمود، مولانا حفظ الرحمن نے ماضی میں سیکولر جماعتوں ہی کا ساتھ دیا ۔ ڈاکٹر فریدی مرحوم مسلم مجلس کے جھنڈے تلے زندگی بھر سیکولر جماعتوں ہی سے اشتراک کی پالیسی پر گامزن رہے ۔ موجودہ مسلم قائدین بھی سیکولر جماعتوں ہی کے ساتھ ہیں۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ خود عام مسلمان نے بھی کبھی بھی کسی انتہا پسند مسلم سیاسی جماعت یا قائد کا ساتھ نہیں دیا ۔ اس لئے وہ لوگ جو مسلم قیادت یا مسلم عوام کے سیکولر انتخابی رویوں کے بارے میں سوالیہ نشان لگاتے ہیں۔ وہ یا تو جان بوجھ کر یا انجانے میں حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ اور مجھے اب بھی کوئی شک نہیں کہ مسلمان پوری ہوشمندی کے ساتھ آنے والے انتخابات میں بھی فاشزم سے [illegible] ملک کو بچانے کے لئے ایک ایسا ہی دانشمندانہ سیاسی رویہ اپنائیں گے جو کہ ملک و ملت دونوں کے وسیع تر مفاد میں ہو۔

عورتوں کی تزئین و آرائش ایک فطری تقاضہ ——— مگر

# اسلام میں دکھاوے کیلئے بناؤ سنگار کی کوئی گنجائش نہیں

س۔ احمد

ہم ایسے دور میں جی رہے ہیں جہاں زندگی کے ہر شعبے میں مسابقت کا دخل نظر آتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ رجحان آدمی کو ہر جگہ کامیابی سے ہی ہمکنار کرے اس کے منفی نتائج بھی سامنے آتے رہے ہیں اور آئیں گے۔ ہماری اس گفتگو کا موضوع خاندانی اور ازدواجی زندگی میں جذبہ مسابقت کی عمل داری ہے۔ ہم اپنے گرد و پیش کے معاشرے پر نظر ڈالیں اور زندگی کے تئیں مختلف افراد کے رویہ کا عموماً اور خواتین کے رجحان کا خصوصاً جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ کسی کو اپنے پڑوسی کے مقابلے میں زیادہ امیر، پرشوکت اور بااثر بننے کی خواہش ہے۔ کسی کے پاس تعیش کی چیزیں نہیں ہیں تو ان کے حصول کا خواہاں ہے اور اگر حاصل ہیں تو اپنے بھائی یا بہن کے مقابلے میں اس سے کہیں بہتر تعیش کی آرزو ہے۔ خواہ وہ رہن سہن میں ہو یا پہننے اوڑھنے میں۔ زمانے کی ترقی اور معیار زندگی میں بتدریج بہتری آنے کے ساتھ خواتین کے ذوق آرائش کو بھی اس جذبہ مسابقت نے کافی حد تک اپنی گرفت میں لیا ہے۔

یہاں سوال کیا جاسکتا ہے کہ آرائش تو خواتین کا فطری حق ہے اس پر انگشت نمائی کیوں ہورہی ہے۔ اس بات کا جواب یہ ہے کہ خواتین کی آرائش و زیبائش پر نہ تو انگشت نمائی کرنا مقصود ہے اور نہ کوئی قدغن لگانا بلکہ مقصد انہیں اس کی نزاکتوں سے آگاہ کرنا ہے۔ لباس کی ہی مثال لیجئے۔ ہمارا عام زندگی کا مشاہدہ ہے کہ کام کاج، گھر میں آرام، احباب و اعزا سے ملاقات یا تقریبات میں جانے کے اوقات میں ہمارے لباس مختلف ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ موخرالذکر صورت میں ہم اسی لباس کا انتخاب کرتے ہیں جو ہمارے پاس سب سے اچھا ہو نہ یہ کہ جو تقریب میں شریک تمام لوگوں کے لباس سے اچھا ہو۔ اسی طریقہ کار کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پردے اور حجاب کی رعایت کے ساتھ آرائش کے ضمن میں بھی برتا جاسکتا ہے۔ یہاں بنیادی ضرورت ہے تناسب کے شعور اور توازن کے احساس کی۔

عورتوں کے زیب و زینت سے متعلق اسلام کے اس موقف میں بڑی سماجی حکمت پوشیدہ ہے کہ وہ اپنی زینت کو نمائش کا سامان نہیں بنائیں گی۔ اسلام کی تاریخ پر ایک نظر ڈالئے تو اندازہ ہوگا کہ اس معاشرے میں عورتیں گھر اور اس کے باہر کی تمام ذمہ داریاں انجام دیتی تھیں لیکن زیب و زینت کی نمائش تو کجا جسم کی بے پردگی بھی نہیں ہو پاتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ معاشرہ ایسے اشتہارات سے پاک تھا جو ہمارے زمانے کا خاصہ ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج کی عورت کو فطری ذوق آرائش کے بجائے شوق مسابقت اور غرور زیبائی پردے سے باہر لایا ہے۔ مسابقت چونکہ گھر کے اندر نہیں ہوسکتی اور یہ خالصتاً تاجرانہ تصور ہے اس لئے اس کا میدان



کار گھر سے باہر کی ہی دنیا ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اپنے معاشرے میں بعض بنیادی اقدار کی تقلیب ہوتی دکھائی دیتی ہے جن کی پاسداری کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا واضح فرمان ہمارے سامنے موجود ہے۔ مسابقت کے غلبے کی بنا پر تزئین کی عملی معنویت کو سمجھنے میں خواتین کے رویے نے ایک متضاد رخ اختیار کیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک عورت کا شوہر اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ جب وہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر گھر میں آئے تو وہ اسے بنی سنوری ملا کرے، چاہے اسے بعض گھریلو کام موخر کردینے پڑیں۔ بیوی کو یہ بات کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی اور رد عمل یہ ہوتا ہے کہ اس کا تو زیادہ تر وقت گھر کے کاموں میں ہی گذر جاتا ہے۔ بننے سنورنے کے لئے کہاں سے موقع نکالا جائے۔ اور مرد تو یہ سمجھتا ہے کہ بناؤ سنگار پلک جھپکنے میں ہوجاتا ہے۔ اس طرح سوچنے والی خواتین مرد کی قوامیت کی انتہا پسندانہ تعبیر پیش کرتے ہوئے خود کو مظلوم کے زمرے میں تصور کرلیتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ شوہر کی یہ خواہش بھی اسی قوامیت کے اظہار کا ایک حصہ ہے حالانکہ وہ اس نکتہ کو فراموش کررہی ہوتی ہیں کہ اسلام نے مرد کو عورت کا قوام ٹھہرایا ہے تو دوسری جانب زوجین کو متکامل حیثیت بھی دی ہے جن کی متعینہ حدود میں رہ کر ایک دوسرے کی مساعدت کے بغیر ازدواجی زندگی کی حرمت کو برقرار نہیں رکھا جاسکتا جو انسانی معاشرے کا بنیادی ادارہ ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ بیشتر عورتوں کو ازدواجی زندگی کی اہمیت اور معنویت کا نہ تو احساس ہے اور نہ وہ اپنے لئے کوئی ایسا نظام الاوقات مرتب کرتی ہیں جس کی مدد سے وہ اپنی روزمرہ کی ذمہ داریوں کو پورا کرلیں اور شوہر کی دل شکنی بھی نہ ہونے پائے۔ اگر کسی محلے یا شہر میں ایک سروے کرکے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ گھر میں قیام کے دوران تزئین و آرائش کے تئیں خواتین کیا خیالات رکھتی ہیں تو زیادہ تر خواتین گھر سے باہر جانے کے مواقع پر ہی تزئین کے حق میں ملیں گی۔ گھر میں رہتے ہوئے اس میں انہیں کوئی کشش نظر نہیں آتی اس کی وجہ یا تو سستی ہوسکتی ہے یا عدیم الفرصتی۔

شوہر کے بجائے دنیا کو دلکش نظر آنے کے مقصد سے تزئین کی حامی عورتیں جو بفضلہ حسین بھی ہوں، شاید یہ رویہ زیادہ مدت تک ان کا ساتھ نہ دے سکے۔ اس رجحان سے مردوں کی نفسیات کا کسی حد تک متاثر ہونا لازمی ہے اور وہ یہ سوچ سکتے ہیں کہ معمولی شکل و صورت کی عورتوں سے شادی پر اکتفا کیا جائے۔ کیوں کہ وہ شوہر کی خواہش کو مصروفیات کا عذر کرکے ٹھکرائیں گی نہیں اور ازدواجی ضرورت سمجھ کر کسی تزئین کے لئے وقت نکالیں گی نہ کہ سماجی ضرورت کے احساس سے جس کی اسلام کسی طرح حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

# حنفی مسلک کے مطابق یہ شادی جائز ہے

فقہی سوال اور ان کے جواب

سوال:— مجھے اپنی شناسا ایک نوجوان خاتون سے شادی کرنے کی شدید آرزو تھی۔ جب میرے والدین پیغام لے کر اس کے گھر گئے تو جواب صاف انکار میں ملا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ میرے گھر کی عورتیں اسلامی لباس کی پابندی کرتی ہیں۔ میں نے اس بارے میں اس خاتون کو پہلے ہی تیار کر رکھا تھا کہ یہ ایک اسلامی تقاضہ ہے اور وہ اس کی تکمیل پر راضی بھی تھی کیونکہ وہ مذہبی ذہن رکھتی ہے۔ لیکن اس کے والدین کو اس شادی پر راضی کرنے کی تمام تدبیریں ناکام ہوگئیں۔ مجھے ملازمت کے سلسلے میں سعودی عرب جانا پڑا اور جانے سے پہلے ہم نے نکاح کرلیا لیکن وہ خاتون اپنے والدین کے ساتھ ہی مقیم ہے اور اس نکاح کی اطلاع اس کے والدین کو نہیں ہے۔ مجھے یہ فکر ہے کہ جب ہم دونوں شوہر و بیوی کی طرح رہنے لگیں گے تو اس کے والدین کو بہت صدمہ پہنچے گا۔ مجھے یہ تو نہیں معلوم کہ کرنا کیا چاہئے ہاں یہ بات طے ہے کہ اس خاتون کو طلاق دینے کی نیت میری ہرگز نہیں ہے جب کہ میری آرزو کی تکمیل ہونے والی ہے۔ براہ کرم مشورہ دیں۔؟

جواب:— اس مرحلے تک کہ آپ اور آپ کی شناسا نوجوان خاتون نے آگے قدم بڑھا کر خاتون کے والدین کے علم میں لائے بغیر نکاح کرلیا آپ کی نیت اٹل معلوم ہوتی ہے۔ حنفی مسلک کے مطابق یہ شادی جائز ہے کیونکہ اس کے نزدیک نکاح کی حیثیت بھی دیگر عقود جیسی ہی ہے اور اسی لئے کسی بھی عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی کو والی بنائے بغیر بھی نکاح کرسکتی ہے۔ اس کے برعکس دوسرے مسلکوں کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے والی کی عدم موجودگی میں نکاح کرتی ہے تو وہ جائز نہیں سمجھا جائے گا۔ موخرالذکر موقف کی حمایت بے شک متعدد ثبوتوں سے ہوتی ہے۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ مذکورہ عورت آپ سے نکاح پر بخوشی آمادہ ہے اس کے والدین کا رویہ نامناسب ہے اور اس کی حمایت کسی طرح نہیں کی جاسکتی۔ انہیں یہ رشتہ قبول کرلینا چاہئے تھا کیونکہ یہ پیش کش ایک ایسے شخص کی طرف سے ہورہی تھی جو ان کی بیٹی کو ایک اچھی مسلمہ بنانے میں مدد کرے گا۔ ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اگر کوئی ایسا شخص جس کا ایمان قوی ہو اور اس کی دیانتداری اعلی معیار کی ہو تمہارے پاس شادی کی تجویز لے کر آئے تو اس کی پیش کش کو قبول کرو۔ جب تک تم ایسا نہیں کروگے زمین پر ظلم اور بدعنوانی ہوتی رہے گی۔" زیر نظر صورت حال میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ لڑکی اپنے والدین کی رضامندی کا انتظار کئے بغیر شادی کر بیٹھی۔

اس کے بعد کی باتوں کا تعلق سماجی مسائل سے زیادہ ہے۔ ایک اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو آپ کی عدم موجودگی سے یہ لڑکی فائدہ اٹھا سکتی ہے اس معاملے میں کہ اس شادی پر اپنے والدین کو ایک دوسرے زاویے سے غور کرنے پر آمادہ کرے۔ مثلاً ان سے وہ یہ کہہ سکتی ہے کہ چونکہ آپ دوسرے ملک میں مقیم ہیں اس لئے اس پر کوئی زورزبردستی نہیں کی جارہی ہے بلکہ اس شادی کو قبول کرنے کا فیصلہ اس

> یہ جانتے ہوئے بھی کہ مذکورہ عورت آپ سے نکاح پر بخوشی آمادہ ہے اس کے والدین کا رویہ نا مناسب ہے اور اس کی حمایت نہیں کی جاسکتی۔

نے خود کیا ہے۔ اسے یہ بات بھی اپنے والدین کے سامنے پوری صفائی سے کہہ دینی چاہئے کہ اس کی مذہبیت پر انہیں فخر ہونا چاہئے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ اس بات کی کوشش کرے کہ آپ کے خلاف اس کے والدین کی بغاوت سرد پڑنے لگے۔ ممکن ہے کہ اس کے والدین کو یہ احساس ہوجائے کہ ابھی تک انہوں نے اس معاملے کے تئیں غلط رویہ اپنا رکھا تھا۔ والدین کو قائل کرنے کے لئے اگر لڑکی خاندان کے کسی معتبر شخص کو ذریعہ بنائے تو وہ بھی کارآمد ہوسکتا ہے۔ جب والدین رضامند ہوجائیں تو ان کی خوشی کی خاطر دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ ان تمام کوششوں کے باوجود اگر لڑکی کے والدین اپنی ضد پر اڑے رہیں تو آپ کو اور آپ کی بیوی کو اختیار ہے کہ کوئی اگلا قدم اٹھائیں لیکن احتیاط کے ساتھ۔

سوال:— بعض اسلامی ممالک میں دیکھا گیا ہے کہ کہیں کہیں پر موذن حضرات اشہد ان محمداً رسول اللہ میں سیدنا کا اضافہ کردیتے ہیں۔ اس کے لئے کیا حکم ہے۔؟

جواب:— بے شک رسول صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق اور اولاد آدم کے سردار ہیں لیکن تشہد اور اذان میں لفظ سید کا اضافہ جائز نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم آپ کو سلام کیسے کریں اور آپ پر صلوۃ و سلام کیسے بھیجیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑھو "اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حمید مجید" اس لئے تشہد اور اذان میں کسی طرح کا تصرف جائز نہیں ہے۔

سوال:— جیسا کہ عام مشاہدہ ہے اس دور میں تعلیم مسلم معاشروں میں مرد اور عورت دونوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن بعض مردوں کی توجہ اس پر نہیں رہتی کہ عورت نے اپنی تعلیم مکمل کی ہے یا نہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ عورت تو اپنا گھر بسانے اور بچوں کی پرورش کے لئے بنی ہے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ تعلیم یافتہ عورت ان دونوں کاموں کو بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ بچوں کی تربیت کے لئے اہم ترین ضرورت پڑھی لکھی ماؤں کی ہے جو کہ اپنے شوہر کے ساتھ ساتھ بچوں کی بھی بہتر نگہداشت کرسکے۔ اس بارے میں علماء کی کیا رائے ہے۔؟

جواب:— شرعی رائے سائلہ کے خیال سے متفق ہے۔ کیونکہ تعلیم یافتہ عورت ان پڑھ کے مقابلے میں ہزار درجہ بہتر ہے کیونکہ موخرالذکر کچھ نہیں جانتی جب کہ اولاد کی تربیت ان کی تعلیم و نگہداشت یہ سارے کام علمی اصولوں پر کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے عورتوں کو تعلیم دلانا ملک اور اس کے شہریوں دونوں کے لئے مفید ہے۔ آج ہمیں ایسی پابند شرع مسلمان خواتین کی ضرورت ہے جو ڈاکٹر ہوں، نرس ہوں، استاذ ہوں اور جو عورتوں کے میدان کار میں بھی اپنی خدمات انجام دے سکیں۔

# کمپیوٹر ہمارے بچوں کے لیے تعلیمی کھیل بھی ہے

## ۱۹۹۶ تک ۲۵ سو اقسام کے گھریلو کمپیوٹر بازاروں میں آجائیں گے

۱۹۷۰ء میں کمپیوٹر سے متعارف ہوتے ہوئے ہم نے سوچا بھی نہ تھا کہ یہ بچوں کے لئے تعلیمی کھیل بن جائے گا۔ اس امکان کو بھانپتے ہوئے کمپیوٹر ساز کمپنیاں گھریلو سیکٹر کے لئے طرح طرح کی دلکش چیزیں بازار میں لا رہی ہیں۔ ہندوستان میں ہوم کمپیوٹر انڈسٹری خاصی نئی ہے اور جو تین کمپنیاں اب تک اس میدان کار میں اتری ہیں ان میں ایپل، ایچ سی ایل فرنٹ لائن اور کومپیک قابل ذکر ہیں۔ ایسی کمپنیوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو کنارے کھڑے ہوکر بازار کے رخ کا اندازہ کر رہے ہیں لیکن شاید پانی میں اترے بغیر انہیں صحیح صورت حال کا پتہ نہ چل سکے۔ بعض اندازوں کے مطابق ۱۹۹۶ء تک بازار میں ۲۵۰۰ اقسام کے ہوم کمپیوٹر آچکے ہوں گے اور اگر بغیر مارکہ والے خانہ ساز کمپیوٹروں کی اقسام کا شمار کیا جائے تو یہ تعداد ۴۵۰۰ تک پہنچے گی۔ ایپل اور ایچ سی ایل فرنٹ لائن والوں کا اعتراف ہے کہ ان کی بے لچک قیمتوں کے باوجود ان کے کمپیوٹر ہاتھوں ہاتھ بک رہے ہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ زیادہ فیچروں پر مشتمل پیچیدہ مشین والے قیمتی کمپیوٹر سستی مشینوں والے کم قیمت کے کمپیوٹروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ فروخت ہورہے ہیں۔ ایپل کمپیوٹرز کے ایک افسر کے مطابق "پر




فارما" رینج کے کمپیوٹروں کو بازار میں لانے سے قبل کئے گئے مطالعہ میں یہ بات سامنے آئی کہ ہلکی مشینوں والے کمپیوٹر جن کی قیمت ۸۰ ہزار روپئے متعین کی گئی تھی بازار میں آنے تک ۹۳ ہزار کے ہوجانے کے باوجود مقبول ہوئے۔ اور اس سے زیادہ مانگ ان کمپیوٹروں کی بڑھی جن کی قیمت ایک لاکھ روپے سے زیادہ تھی۔ تقریبا یہی تجربہ ایچ سی ایل فرنٹ لائن کو بھی ہوا۔

اس وقت ایپل کے پرفارما رینج کے تین طرح کے کمپیوٹر بازار میں ہیں (۱) میکنتوش پرفارما ۵۸۰، میکنتوش پرفارما ۵۲۰۰ اور میکنتوش پرفارما ۶۲۰۰ جن میں سے اول الذکر ۰۴۰ ایل سی ۶۸ اور موخر الذکر دو کمپیوٹر ایم ایچ زیڈ ۷۵، RICS603 PC پروسسر پر مشتمل ہیں۔ ان تینوں کی مشینیں کمپیکٹ ڈسک سے مربوط ہیں۔ پاور پی سی پروسسر اس وقت بازار میں دستیاب تیز ترین پروسسروں میں شمار ہوتے ہیں۔

ایچ سی ایل فرنٹ لائن کے پانچ ماڈل بازار میں ہیں جن میں سے دو بنیادی ماڈل ہیں یعنی ۴۱۰۰ اور ۴۱۵۰ اور چونکہ ان میں ملٹی میڈیا سہولتیں نہیں ہیں اس لئے گھر کے بجائے چھوٹے اور گھریلو دفتروں کے لئے موزوں ہیں۔

کمپیک کے بھی کئی گھریلو ماڈل بازار میں آئے ہیں اور وہ ہیں پریسار یو ۵۰۰، پریسار یو ۷۰۰، اور پریسار یو ۹۰۰۔ اگر مختلف کمپنیوں کے گھریلو کمپیوٹروں کی قیمتوں کا موازنہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایچ سی ایل فرنٹ لائن کی قیمتیں خاصی معقول ہیں اور ان کے تعین میں گھریلو صارفین کی نفسیاتی نزاکتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایپل اور کمپیک نے منہ مانگے دام رکھے ہیں جس میں کسی رو رعایت کا امکان نہیں۔ لیکن یہاں ایک بات جو ان کے حق میں جاتی ہے وہ یہ کہ ہندوستانی گاہک اپنے بچوں کو دوسروں کے مقابلے میں کہیں بہتر کھلونے یا تعلیمی تفریح فراہم کرنے کے لئے ایک لاکھ روپے خرچ کرکے بد دل نہیں ہیں۔ اور یہی وجہ کہ ہندوستانی گاہک کے تعلیم پسند مزاج کا اندازہ لگاکر انہوں نے ایپل اور ایچ سی ایل فرنٹ لائن نے اپنے کمپیوٹروں کے ذریعے "ایجوٹین منٹ" کا تصور دیا ہے۔ اور بچوں میں مقابلے کے رجحان کو فروغ دینے کے ساتھ اس امکان کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آئندہ نسلیں کہیں زیادہ فعال اور متحرک بن سکتی ہیں۔ ان کمپنیوں نے ایسے سافٹ ویر بھی بنالئے ہیں جن کی مدد سے بچے اسکول میں پڑھائے گئے مختلف مضامین اور موضوعات کے اسباق بھی یاد کرسکتے ہیں اور اس کے مختلف کھیلوں سے دل بھی بہلا سکتے ہیں۔ گویا کہ کمپیوٹر گھر پر لاکر کام کرنے والے والدین کی مدد بھی کرسکتا ہے اور مختلف موضوعات پر ہدایات دینے والا خاندانی رہنما بھی۔

●

## انٹرنیٹ کے سہارے

# آپ عالمی معلوماتی میدان کے شہسوار بن سکتے ہیں

۱۹۸۲ء کے ایشیائی کھیلوں نے ترقی پذیر دنیا میں تجرباتی مرحلے سے گزرنے والی کمپیوٹر نیٹ ورکنگ کا ہندوستان کو پہلی بار موقع فراہم کیا جس کے تحت ایشیائی کھیلوں کے تمام اسٹیڈیموں کو باہم مربوط کردیا گیا تھا اور جس کے ذریعہ مختلف مقامات پر ہونے والے مقابلوں اور کھیلوں کو مانیٹر کیا جاسکتا تھا۔ اس طرح ہندوستان ۱۹۸۰ء کی دہائی میں وی سیٹ (ویری اسمال اپرچر ٹرمنل) ٹکنالوجی سے اس وقت روشناس ہوا جب دنیا بھر میں سو سے زائد وی سیٹ اسٹیشنوں کا وجود نہ تھا۔ آج وی سیٹ کو عالمی مقبولیت حاصل ہے کیونکہ اس کو ہینڈل کرنا بہت آسان ہے اور اسے آدھے دن میں نصب کیا جاسکتا ہے۔

کمپیوٹر کی واقفیت کو فروغ دینے کے لئے ۱۹۷۵ء میں نیشنل انفارمیٹکس سنٹر (این آئی سی) نے ایک سٹیلائٹ پر مبنی قومی سطح کا کمپیوٹری ترسیلی نظام قائم کیا تھا جس کے ۷۰۰ مائیکرو ارتھ اسٹیشن توڈ ہیں جن کو مرکزی، صوبائی مراکز اور ضلعی صدر دفاتر سے مربوط کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان اسٹیشنوں کا رابطہ ۱۶۰ ممالک کے ۲۰۰ بین الاقوامی نیٹ ورکوں سے ہے۔ نیشنل انفارمیٹکس سنٹر سے کسی طرح کی وابستگی کا مطلب ہے عالمی معلوماتی میدان یعنی انٹرنیٹ میں بے پناہ کامیابی۔ اور جیسا کہ آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں کہ انٹرنیٹ ترسیلی ٹکنالوجی کا ایسا جمہوری نظام ہے جس میں ہر نوع کی معلومات آزادی سے ایک دوسرے میں مخل ہوئے بغیر کہیں بھی پہنچائی جاسکتی ہیں یا ان کا تبادلہ ہوسکتا ہے۔ اس وسیلے سے دنیا کے کروڑوں شائقین علم، سائنسداں، تاجر، لائبریریاں، صحافی اور فنکار و ادیب، سافٹ ویر بنانے والے ماہرین ایک عالمی برادری یا بستی کے باشندے بن گئے ہیں۔

انٹرنیٹ سے ہمیں پانچ اقسام کی خدمات حاصل ہورہی ہیں (۱) عالمی الیکٹرونی ڈاک کے ذریعے صارفین الیکٹرونی پیغامات بھیج سکتے ہیں اور دوسرے صارف کی طرف سے ارسال کردہ ڈیٹا بیس کو وصول بھی کرسکتے ہیں۔ خواہ وہ انٹرنیٹ سے مربوط دنیا کے کسی بھی نقطہ پر ہو۔ (۲) یوزنیٹ ایک یومیہ خبرنامہ جس کے موضوعات ہزاروں ہوسکتے ہیں اور آج دنیا میں کروڑوں افراد ان کو پڑھتے ہیں۔ طریقہ کار یہاں بھی الیکٹرونک میل کا ہی ہوتا ہے (۳) ٹیلی نیٹ کے ذریعے کوئی بھی انٹرنیٹ کا صارف کسی بھی سرے سے رابطہ قائم کرکے فائل ٹرانسفر کے



طریقہ کار کے ذریعے کوئی فائل ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر کو منتقل کرسکتا ہے۔ یہ فائل ڈیٹا، پروگرام متن یا قابل تخزین کسی بھی چیز پر مشتمل ہوسکتی ہے۔

نیشنل انفارمیٹکس سنٹر سے وابستگی کے خواہش مند افراد میں نئے خیالات اور ٹیکنالوجی کو اختیار کرنے کی صلاحیت کی خاص طور پر جانچ کی جاتی ہے۔ اس کے لئے مطلوبہ تعلیمی استعداد ایم ایس سی ڈگری کمپیوٹر کے میدان میں کسی طرح کے تجربے کے ساتھ یا بی ایس سی مع ڈپلوما ان کمپیوٹر۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ این آئی سی کسی پرائیوٹ ڈپلوما کو اپنی مطلوبہ بنیادی صلاحیت کے برابر تسلیم نہیں کرتی کیونکہ اس کے مطابق ان کا معیار پست ہوتا ہے۔ کمپیوٹر سافٹ ویر پرسنل کی حیثیت سے پروگراموں کو بھی لیا جاتا ہے جن کے پاس ایم سی اے یا بی ٹیک کی ڈگری ہو۔ داخلے کے بعد کسی کو اختیار ہے کہ وہ کمپیوٹر سے متعلق کام سنبھالے یا ایپلی کیشن سروس۔ اول الذکر کا تعلق نیٹ ورکس اور کمپیوٹر سسٹم چلانے سے ہے جس کے لئے کمپیوٹر پر مبنی صلاحیت درکار ہے۔ دوسرے کا تعلق پیچیدہ امور کی انجام دہی کو آسان بنانے کی غرض سے کمپیوٹر سافٹ ویر کے استعمال سے ہے۔

نیشنل انفارمیٹکس سنٹر کی خدمات سیاسی اعتبار سے بھی خاصی اہم ثابت ہورہی ہیں اور اس میں این آئی سی کے صوبائی یونٹوں کی ساخت کا بڑا دخل ہے۔ اگرچہ صوبوں میں مختلف سیاسی جماعتوں کی حکومت ہوتی ہے لیکن اس اختلاف کا این آئی سی کی کارکردگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ صوبائی یونٹ چیف سکریٹری کے زیر نگرانی کام کرتے ہیں کیونکہ مختلف صوبوں کے بجٹ سے متعلق تفاصیل جو کمپیوٹر کے ذریعے پروسس ہوتی ہیں وہ متعلقہ صوبے کے حکام کے ہی علم میں آسکتی ہیں اور دوسروں کی اس تک رسائی نہیں ہوسکتی۔

ان ترقیات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اگلی صدی تک ہمارے سیارے پر انسانی زندگی ایسی ہوجائے گی کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق ایسے درست رابطے پیدا کرسکیں گے جن کی رازداری پر ہمیں پورا اختیار ہوگا۔

## ارون شوری کی کتاب "دی ورلڈ آف فتواز"

# اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں پر کیچڑ اچھالنے کی ایک ناپاک سازش

نام کتاب: دی ورلڈ آف فتواز
مصنف: ارون شوری
ناشر: اے ایس اے پبلی کیشنز
قیمت: ۴۵۰ روپے

قرآن و حدیث سے اپنے مطلب کے اقتباسات بغیر سیاق و سباق کے نقل کرنے کے ماہر ارون شوری اسلام، پیغمبر اسلام اور ہندوستانی مسلمانوں پر کیچڑ اچھالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور یہی ان کے مزاج اور طرز تحریر کو راس آتا ہے۔ جیسا کہ ان کی کتاب "دی ورلڈ آف فتواز" کے گرد پوش پر تحریر ہے انہوں نے "مسلم فرقے کے زمام گیروں کی ذہنیت" کو طشت از بام کرنے میں سارا زور قلم صرف کردیا ہے اور ایک طرح سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کو سب سے زیادہ نقصان خود مسلمانوں نے پہنچایا ہے۔ یہ کتاب ہمیں کیتھرین بایو کی تصنیف "مدر انڈیا" کی یاد دلاتی ہے جس میں انہوں نے ہندوستانی سماج میں چھانٹ چھانٹ کر کیڑے نکالے تھے اور گاندھی جی نے اسے "گٹر انسپکٹر کی رپورٹ" سے تعبیر کیا تھا۔ دنیا کے بڑے مذاہب اور ان کے پیشواؤں کے بارے میں بہت سی تحریریں اس سے پہلے بھی سامنے آتی رہی ہیں ان مذاہب پر الزام تراشیاں کرنے والوں کا لہجہ بھی کم کٹیلا اور جارحانہ نہیں تھا۔ لیکن سوال یہ اٹھتا ہے کہ ان تصانیف سے کون سا مقصد حل ہوتا ہے علاوہ اس کے کہ کسی مذہب کے عقیدتمندوں کے جذبات مجروح ہوں، غصہ اور نفرت بھڑکے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ارون شوری نے فتوے کی تعریف ہی غلط کی ہے۔ فتوی قانون نہیں بلکہ کسی مولوی کی رائے ہے جس کا اسلام میں کوئی مقام نہیں ہے۔ فتوی کا اطلاق و نفاذ ضروری نہیں، اموی، عباسی اور عثمانی دور حکومت میں بھی کسی فتوے کا نفاذ حکمراں کی منظوری کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ فتاوی کی جن پانچ جلدوں کا ارون شوری نے سہارا لیا ہے وہ مختلف سطحی موضوعات پر مختلف مکتب فکر کے مولویوں کی متضاد آراء پر مشتمل ہیں۔ اس میں وہ ناشائستگی پر بھی اتر آئے ہیں۔ ان موضوعات کو مصنف کے خیال کے برعکس عملی شریعت کے ستون کی حیثیت ہرگز نہیں دی جاسکتی۔ گذشتہ ایک صدی میں ہندوستان میں شریعت کی تعبیر و تشریح پہلے برطانوی راج میں ہوئی اور آزادی کے بعد سپریم کورٹ نے اسے "قانون محمدی" کا نام دیا اور اس کا اطلاق، محض شادی، طلاق، میراث، نفقہ، وقف اور مساجد و درگاہ کے انتظام کے ضمن میں ہونے لگا۔

غریب اور بے علم مسلمان جو قرآن اور حدیث کے مفہوم تک رسائی نہیں رکھتے روزمرہ کے معاملات میں مولوی حضرات سے رجوع کرتے ہیں کہ آیا ان کا عمل درست ہے یا نہیں لیکن یہی استفسارات اگر دائرہ تحریر میں لائے جائیں تو بڑے احمقانہ اور مضحکہ خیز معلوم ہوں گے۔ یہی صورت حال ارون شوری کی کتاب کے دوسرے باب "یہی ہے زندگی" کی ہے جس میں غسل جنابت کے وجوب کی مختلف امکانی صورتوں سے متعلق سوالات کئے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ تمام تفصیل یکجا کرنے میں شوری نے بڑی عرق ریزی کی ہے لیکن صفحات کے صفحات پڑھ لینے کے بعد اندازہ ہوتا


ارون شوری: مصنف

ہے کہ یہ کتاب معلوماتی اور تفریحی کم اور تکلیف دہ زیادہ ہے۔ اس کا بیشتر حصہ فردعات اور مضحکات کی نذر ہوگیا ہے۔ معدودے چند بنیادی سوالات اٹھائے گئے ہیں لیکن خاصے منفی تناظر میں۔ داڑھی، مونچھ کی طوالت، پیشاب کرنے کی صحیح پوزیشن وغیرہ سے متعلق سوالوں کے دلچسپ جواب بھی دئے گئے ہیں۔ ان سب کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مولویوں کی آنکھ کے سامنے بینک سے سود برابر لیا جارہا ہے، ضبط تولید پر زور و شور سے عمل ہورہا ہے۔ مخلوط تعلیم کی شرح میں اضافہ ہورہا ہے، تعدد ازدواج کا گراف نیچے جارہا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ سے وابستہ پروفیسر ضیاء الدین سردار نے داڑھی مونچھ کے طرز، لباس اور آداب وضو جیسے موضوعات پر مولویوں کی شدت پسندی اور انسانی آزادی اور بہت سے اسلامی ضوابط کی حرکیت سے چشم پوشی کو عوام میں ان کے تئیں بغاوت کے لئے ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ ارون شوری نے پروفیسر موصوف کے خیالات کو بڑی صفائی سے اچک لیا ہے۔

مصنف نے بعض ایسی باتیں پیش کی ہیں جو ان کے خیال میں ہندوؤں سے متعلق ہیں حالانکہ انہوں نے ان آیات کے اسباب نزول کے پہلو کو یکسر فراموش کردیا ہے جو اپنی جگہ مستقل ایک شعبہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان آیات کی طرف سے ان کا خوف و اندیشہ بعض مولویوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی کا نتیجہ ہے جن میں سر فہرست مولانا احمد رضا خاں کا نام جو ہندوؤں کے کٹر مخالف تھے۔

جہاں تک ارون شوری کے اس دعوے کا تعلق ہے کہ فتاوی کو سپریم کورٹ کی رپورٹوں کی حیثیت حاصل ہے تو یہ بات درست ہے کہ فتاوی عالمگیری اورنگ زیب کے دور میں قانون کا درجہ رکھتی تھی لیکن ان کی قانونی حیثیت آج تو کیا ایک صدی پہلے بھی کچھ نہیں تھی اور اب ان کا حوالہ اگر کہیں آتا ہے تو ایک مخصوص دور کے مولویوں کی آراء کے طور پر۔ شوری نے یہ تاویل پیش کی ہے کہ ہندوستانی مسلمان ان فتوؤں پر اور دیوبند یا بریلی سے لی گئی آراء پر اپنی روزمرہ زندگی میں عمل کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ فتوے کسی کام میں آتے ہیں تو گروہی مناظروں میں ایک دوسرے کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لئے اور عام مسلمانوں کی زندگی پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بہت سے سرکردہ مسلم لیڈروں پر کسی مولوی نے کفر کا فتوی دیا تھا لیکن اس فتوے سے ان کی تقریر و تحریر پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوا۔ اور یہ بات تو خود شوری صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ان فتوؤں پر عمل درآمد ہوتا تو ہر مسلمان کی داڑھی ہوتی، ہر مسلمان عورت برقع میں نظر آتی، ٹی وی کسی مسلمان کے گھر میں نہ ہوتا، ہندوؤں سے کوئی نہ ملتا جلتا۔ یہاں یہ اضافہ بیجا نہ ہوگا کہ اپنی حکومت میں بھی مسلمان مولوی حضرات کی ہدایات پر عمل نہیں کرتا۔ شوری کی یہ بات ضرور کام کی ہے کہ مسلمانوں کو فرسودہ روایات کی تاریکی سے نکالنے کے لئے روشن خیال لوگوں کو آگے آنا چاہئے۔ (تلخیص)

**تحریر: رفیق زکریا**

---

آپ کی الجھنیں

# گویا اس عورت نے شیطان کی قیادت قبول کرلی

سوال: ــــ اپنے شوہر کے ساتھ دس سال تک رہنے کے بعد بھی میرے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ہم دونوں نے ڈاکٹر سے چیک اپ کروایا تو انہوں نے بتایا کہ دونوں میں سے کسی میں کوئی ایسی خرابی نہیں ہے جو بار آوری میں مانع ہو۔ خیر مزید کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد میرے شوہر نے دوسری شادی کرلی اور پھر اس سے مجھے خوشی ہوئی کیونکہ مجھے اپنے شوہر کی حالت کا اندازہ تھا کہ انہیں بچے کی تمنا ہے۔ لیکن شوہر کی دوسری شادی کے بعد میری بہت سی سہیلیاں ایسی تھیں کہ جب وہ مجھ سے ملتیں تو میرا ردعمل معلوم کرتیں اور میرے اطمینان و صبر پر نہ صرف تعجب کا اظہار کرتیں بلکہ اس پر شک بھی کرتیں اس کوشش میں کہ میں اپنے شوہر کے عقد ثانی کے تئیں ایسا موقف اختیار کروں جس کی توقع وہ کرتی ہوں۔ ان کے اس رویے پر مجھے حیرت بھی ہے اور الجھن بھی کہ آخر کروں کیا۔ براہ کرم مشورہ دیں۔؟

جواب: ــــ کسی عورت کا شوہر کے عقد ثانی پر صبر و ضبط پر کاربند رہنا اس کے لئے بڑے اجر کا باعث ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جاتا ہے اور جو عورت اس معاملے میں صابر و شاکر نہیں رہتی وہ اجر سے محروم رہتی ہے بلکہ اگر وہ بغض و حسد سے مغلوب ہوکر شوہر اور اس کی دوسری بیوی کو ستاتی ہے اور تکلیف پہنچاتی ہے تو سمجھئے کہ شیطان کی قیادت قبول کرتی ہے اور گناہ کبیرہ کی مرتکب ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اس کا ظلم اور عداوت ایسے عذاب سے ہمکنار کرتا ہے جو ایمان والوں کی دل آزاری کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

دوسری عورت سے شادی کرنا ان باتوں میں سے ہے جس کی اجازت اللہ نے دی ہے چاہے پہلی بیوی میں تمام تر اوصاف بدرجہ کمال موجود ہوں۔ ایسی صورت میں کہ ایک شخص نے دس سال تک لاولد رہ کر ایک عورت کے ساتھ زندگی گزار دی اور اس مشکل کے حل کے لئے وہ عقد ثانی کرلیتا ہے اور اس کے حالات اس کی اجازت دیتے ہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ ایسی بہت سی عورتیں ہیں کہ وہ اپنی عاقبت نااندیشی کی بناء پر شوہر کے عقد ثانی سے بدظن ہوکر اپنی ازدواجی زندگی چوپٹ کر بیٹھیں۔ بجائے اس کے کہ حالات کا اندازہ کریں اور اسے سمجھیں انہوں نے شوہر اور زوجہ ثانی سے انتقام کی پالیسی اپنائی جس کا نتیجہ طلاق کی شکل میں سامنے آیا۔ آج وہ اپنے والدین کے گھروں میں محبوس ہوکر رہ گئی ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ دوسری شادی کے لئے ان کا دروازہ اگر کوئی کھٹکھٹاتا ہے تو کوئی عمر رسیدہ یا بے راہ رو۔ اپنے شوہر کے عمل کے تئیں سائلہ کا رویہ پوری طرح مناسب اور صحت مند اور عقل سے قریب ہے کیونکہ وہ اپنے شوہر کی رضا میں شامل ہے اور حقیقت حال کی معترف ہے۔ جہاں تک اس کی سہیلیوں اور شناسا عورتوں کے اس مشورے کا تعلق ہے کہ وہ شوہر کے خلاف انتقامی کارروائی کا منصوبہ بنائے تو یہ شوہر کے حق میں تو نہیں بلکہ خود اس کے حق میں مہلک ثابت ہوگا۔ یہ جنون اسے پاگل کردے گا اور پھر نتیجہ یہی ہوگا کہ شوہر دے دے گا طلاق یا ایسی حالت میں رکھے گا کہ نہ وہ شادی کہی جاسکے نہ طلاق۔ کیونکہ ظلم سے تو ظلم ہی پیدا ہوگا۔

ہم اپنے قارئین کو ابلیس کے ایسے گماشتوں سے خبردار کرنا چاہتے ہیں جو لوگوں کو منکرات کی طرف راغب کرتے ہیں اور وہی کام کرتے ہیں جو ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو گناہ کی ترغیب دلاکر کیا تھا۔

ایک صاحبہ نے یہ واقعہ بیان کیا کہ جب ان کے شوہر نے عقد ثانی کیا تو ان کی ایک رفیقہ کار ان سے ملی اور کہا کہ تم خاموش کیوں بیٹھی ہو۔ تمہیں کچھ کرنا چاہئے۔ اگر تمہارے شوہر کو تم سے محبت ہوتی تو تم پر سوتن نہ لاتا۔ ان صاحبہ نے جواب دیا کہ میرے شوہر نے ایسا کرکے میری کوئی توہین نہیں کی ہے۔ وہ میرے بچوں کے باپ ہیں اور اللہ نے عقد ثانی کی اجازت بھی دی ہے۔ اور اگر میرے اختیار میں ہوتا تو ظاہر ہے کہ میں راضی نہ ہوتی۔ انسان زندگی میں جن چیزوں کی خواہش کرتا سب اسے مل تو نہیں جاتیں۔

باقی ص ۱۲ پر

> اگر آپ کسی الجھن میں مبتلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ نہ لینے کی پوزیشن میں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہوگیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ (ادارہ)

Invitation Price Rs. 5/-
16 - 31 December 1995
Volume 2. Issue 24

The Milli Times International
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Phone : 6926030 / 6827018

R.N.I. No. 57337 / 94
R.G.D. DL No. 11234 / 95

# کربناک مسکراہٹ



تیسری دنیا خصوصا ہندوستان میں امریکی معاشرے کا تصور ایک ایسی دنیا کا تصور ہے جہاں دولت کی ریل پیل ہو، آسودہ حال لوگوں کا کام زندگی جینے کے نئے اور انوکھے طریقے دریافت کرنا ہو۔ زندگی بنیادی مسائل سے اوپر اٹھ چکی ہو اور اب لوگ علوم وفنون کے عالی مدارج طے کرنے میں مصروف ہوں۔ پھر اسی دنیا سے ایک ایسی ثقافت کا تصور بھی وابستہ ہے جہاں انسان نے اپنی آزادی کے طریقے دریافت کرلئے ہوں اور ایک آزاد اور کھلے معاشرے میں ہر فرد کو خوشیاں حاصل کرنے کے بھرپور مواقع حاصل ہوں گویا ایک ایسی جنت ہو جہاں اس سرزمین پر دستیاب ہونے والی زندگی کی ہر خوشی میسر ہو۔ یہ ہے وہ تصور جو امریکی فلموں اور اس ملک سے آنے والے ہندوستانی نژاد امریکی اس ملک کے باشندوں کو دیتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اکثر نوجوانوں کے ذہنوں میں گرین کارڈ کی حصولیابی گویا جنت کے ٹکٹ حاصل کرنے کے مترادف ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ امریکیوں نے زندگی کو اس کی انتہا تک جینے کا ایک خاص طریقہ دریافت کیا ہے۔ یعنی انسانی زندگی میں جتنی چمک دمک بھی ممکن ہو پیدا کی جائے اور انسان کی بے لگام خواہش کو جتنا بھی ڈھیل دیا جانا ممکن ہو دیا جائے اور اس طرح آزاد منش انسانوں کا ایسا معاشرہ تشکیل پائے جو گناہ و ثواب کے فن سے ناواقف ہو۔ سزا اور عذاب کا تصور ذہنوں سے محو ہوجائے۔ سود و زیاں ایک ہی سکے کے دو رخ معلوم ہوں۔ اور پھر جب انسانی نگاہیں بڑے حقائق سے ہٹ کر صرف ظاہری چمک دمک میں کھوجائیں تو رنگ و نور کی مسحور کن دنیا میں پاگل اور وحشیانہ موسیقی کی ایک ایسی دھن اٹھائی جائے جہاں تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی انسان اپنے آپ سے بیگانہ ہوکر با ہو کا ایک ایسا ہنگامہ برپا کرے کہ من و تو کی تمیز جاتی رہے۔ یہی ہے وہ انداز جسے امریکی اپنی عامیانہ زبان میں "خوشیوں کا آخری قطرہ نچوڑ لینے" سے تعبیر کرتے ہیں۔

مشرق کے لئے اس معاشرے کی تصویر بڑی پرکشش ہے کہ یہاں خوشیوں کی بہتات ہے۔ چہرے مسکراہٹوں سے سجے ہیں اور ہر پرکشش اور حسین جسم سے قہقہے ابل رہے ہیں اور خوشیوں کے حصول کا ہر موقع انسان کی دسترس میں معلوم ہوتا ہے۔ ہیو گرانٹ اور ان کی خاتون دوست بھی ان ہی خوش قسمت لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں جن کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ وہ زندگی کو آخری کش تک سرور کے ساتھ پینے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ ان کی بعض کامیاب فلموں سے بھی اس تصور کو ہوا ملی ہے اور امریکی عوام کا ایک بڑا حلقہ ان کا گرویدہ ہے۔ بظاہر دیکھا جائے تو ہیو کے چہرے پر نظر آنے والی مسکراہٹ کے لئے ان کے پاس سب کچھ موجود ہے۔ عزت، دولت، شہرت اور خاتون دوست کی شکل میں ایک حسین عورت۔ نوجوان امریکیوں میں ہیو کی حیثیت ایک ایسے ماڈل کی ہے جس نے خوشیوں بھری زندگی کا ایک مثالی نمونہ پیش کیا ہے اور جسے اب شاید کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

ان دنوں ہیو گرانٹ کی فلم "چار شادیاں اور ایک جنازہ" نے ہندوستان کے بڑے شہروں میں دھوم مچا رکھی ہے۔ کہانی ایک ایسے شخص کی ہے جو اپنے دوستوں کی شادیوں میں شرکت کے بعد اپنی شادی کے بارے میں بھی فکرمند ہوجاتا ہے۔ البتہ جب وہ لمحہ آتا ہے کہ وہ قبولیت کے عہد و پیمان میں بندھ سکے تو اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ جس شادی کے لئے وہ اب تک بے چین رہا تھا اب اس بارے میں ایک عجیب تذبذب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ یعنی شادی کے بارے میں ایک قسم کا احساس تذبذب ہی دراصل ہیو کا پیغام ہے۔ لیکن اب ناظرین کے لئے صرف ہیو کی مسکراہٹ ہی باعث دلچسپی نہیں ہے بلکہ وہ واقعات بھی ہیں جو ان مسکراہٹوں کو کربناک بنادیتے ہیں۔

ہوا یوں کہ گذشتہ دنوں ایک سنسنی واقعے نے ہیو کے چہرے سے مسکراہٹوں کا نقاب نوچ پھینکا۔ اور جب اس کا اصل چہرہ لوگوں کے سامنے آیا تو وہ ایک بڑا قابل رحم شخص دکھائی دیا۔ اس کی شخصیت اندر سے بڑی دبی کچلی معلوم ہوئی اور ایسا لگا جیسے وہ اپنی شخصیت کے ریزے ریزے اکٹھے کرکے مسلسل ایک مصنوعی تصویر بنتا رہا ہو اور پھر اسے ایک آئیڈیل اور پرمسرت شخص کے طور پر پیش کرتا رہا ہو ورنہ خود اس کے متوالوں کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے کہ ہیو جیسے شخص نے جسے مسکراہٹوں کی ساری قسمیں حاصل تھیں آخر ایک ایسے قبیح جنسی اسکینڈل میں کیسے مبتلا ہوگیا جس کا دور دور تک فسانے میں کوئی ذکر نہ تھا۔ ہوا یہ کہ ایک شام جب وہ اپنی مصنوعی مسکراہٹوں سے پریشان ہو اٹھا اور مصنوعی خوشیاں اسے ڈسنے لگیں اور خاتون دوست کی قربت کا خیال ہی اس کے لئے عذاب جان بن گیا تو اس نے اپنی چمچماتی ہوئی بی ایم ڈبلیو نکالی اور نہ جانے کس چیز کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ لیکن اس پریشان حال شخص کو اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ کیا چیز ہے جس کی اسے تلاش ہے۔ پھر اسی چمچماتی کار اور سیاہ فام فاحشہ عورت کے حوالے سے جنسی اسکینڈل کی ایک ایسی خبر منظر عام پر آئی جو انتہائی غیر روایتی تھی اور جس میں جنسی لطف اندوزی کا ایک انتہائی ناپسندیدہ طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ ہیو کے فدائین پر یہ خبر ایک بجلی بن کر گری۔ ان کے ذہنوں میں اس سوال نے سر اٹھایا کہ آخر ہیو کو کمی کس چیز کی تھی۔ ایک حسین خاتون دوست کی موجودگی کے باوجود آخر اس نے عجیب و غریب راستوں کا انتخاب کیوں کیا؟ ہیو سے پوچھا گیا تو اس نے صرف اتنا کہا کہ اس نے ایسا بس ایک نئے پن کے احساس کے لئے کیا تھا۔ البتہ بعض حلقوں میں اس خبر کے حوالے سے اس سوال نے سر اٹھایا ہے کہ آخر محض نئے پن یا تبدیلی اور لذتوں کی حصولیابی کے لئے نئے امکانات کی تلاش کی آخری حد کیا ہوگی؟ اور یہ کہ اگر خوشیوں کی دنیا کا بادشاہ اپنی خوشیوں سے اتنا ہی پریشان ہے تو پھر اس رنگ و نور کی دنیا پر بھی ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ •